ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے
فرمایا جس نے بلا عذر یا بلا مرض ایک روزہ بھی ترک کیا ساری عمر کے
روزے بھی اس کا کفارہ نہیں بن سکتے۔

(بخاری شریف)

اعلان برائے داخلہ

تجدید داخلہ اور ضمنی امتحان

جامعہ میں تعطیل کلاں کا آغاز ۲۶ رشعبان ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۴ نومبر سنیچر سے ۲۰۰۱ء ... سالانہ امتحان کے نتائج کا اعلان ۳۱ راکتوبر کو ہو چکا ہے۔ نتائج جامعہ کی ویب سائٹ پر بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ تعطیل کے بعد نئے تعلیمی سال کا آغاز ان شاء اللہ ۸ رشوال ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۴ ر دسمبر ۲۰۰۱ء سنیچر سے ہوگا۔ داخلہ کی درخواستیں رمضان میں جامعہ بھیج دی جائیں۔ عربی اول میں داخلے کے لیے کم از کم ۱۳ سال عمر ہونی چاہیے۔ داخلہ ٹیسٹ کی تاریخیں حسب ذیل ہیں۔

پہلا داخلہ ٹیسٹ ۱۵ ر دسمبر بروز اتوار بوقت دس بجے دن

دوسرا داخلہ ٹیسٹ ۱۸ ر دسمبر بروز بدھ

ضمنی امتحان کا آغاز ۱۶ ر دسمبر سے ہو جائے گا۔ ضمنی امتحان کے بارے میں معلومات ویب سائٹ کے علاوہ ٹیلی فون پر بھی دستیاب ہوں گی۔ اس کے لیے 25149 25115 اور 25140 پر رجوع کیا جائے۔

پرانے طلبہ ۱۹ ر دسمبر تک تجدید داخلہ کی کارروائی مکمل کرالیں۔ ان شاء اللہ ۲۱ ر دسمبر سنیچر سے باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہو جائے گا۔ (مہتمم تعلیم و تربیت)

web: www.jamiatulfalah.cjb.net

Tel:- 05466-25149, 25140, 25115

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[illegible]

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

جلد نمبر: ۱۸	رجب، شعبان، رمضان ۱۴۲۲ھ ستمبر، اکتوبر، نومبر ۲۰۰۱ء	شمارہ: ۹-۱۰-۱۱

مدیر مسئول ابوالکارم ازہری	**معاون مدیر** انیس احمد فلاحی مدنی

☆ سالانہ زرتعاون: ۹۰ روپے	☆ طلبہ کے لیے: ۸۰ روپے
☆ خصوصی زرتعاون: ۲۰۰ روپے	☆ اعزازی زرتعاون: ۱۰۰۰ روپے
☆ بیرون ملک: ۲۵ امریکی ڈالر	☆ اس شمارہ کی قیمت: ۱۵ روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہٰذا اجلد از جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ **مجلہ حیات نو، جامعۃ الفلاح**

بلریاگنج، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱

Phone: 05466-25116

نقوش حیات نو

❏ اداریہ	انیس احمد فلاحی	۳
پیغام رمضان		
❏ مقالات		
آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا	یوسف الوائل	۶
تفسیر قرآن پاک ایک جائزہ	محمود عالم	۸
قیامت کی نشانیاں	ادارہ	۳۱
❏ بحث ونظر		
ادب، ادب اسلامی اور موجودہ شعری منظرنامہ	ڈاکٹر تابش مہدی	۳۶
طوائفی ادب، فحاشی کی حرمت	فلک ظہیر	۴۳
❏ مذاہب عالم		
سکھ مت (۳)	انیس احمد فلاحی	۴۹
ژند اوستا میں بشارات محمدیہ	ابوطوبیٰ فلاحی	۵۷
❏ فقہ وفتاویٰ		
بینکوں کی ملازمت کا حکم	ابوارقم فلاحی	۶۱
❏ جامعہ کے لیل ونہار	(ادارہ)	۶۲
امیر جماعت کا خطاب عام		
بہی خواہاں جامعہ کی خدمت میں	ناظم جامعہ	۶۳

کتابت: عبدالمعید مجلی نگری

اداریہ

پیغام رمضان

انیس احمد فلاحی

لیجیے عظمتوں، رحمتوں اور برکتوں کا وہ حیات آفریں اور سعادت فروز مہینہ پھر آ گیا جس کے دن انسانیت کے شعور کو پختگی اور توانائی عطا کرتے ہیں، جس کی راتیں دلوں میں عبدیت ونیازمندی کی شمع سوزاں جلاتی ہیں جس کا ہر لمحہ اللہ کی رحمت کا ومغفرت کا اجالا لے کر آتا ہے اور بندے کی محرومیوں اور نامرادیوں کی سیاہی کا ازالہ کرکے اس کو ربانی الطاف وعنایات کا گہوارہ عطا کرتا ہے کل بندہ اپنے گناہوں کی وجہ سے جس دار رحمت سے دور جا پڑا تھا آج اس در رحمت کا مالک اسے خود صدا دیتا ہے کہ آ تو تمہاری محرومیوں مظلومیوں اور مجبوریوں کی شام کلفت کو کامیابیوں اور شادکامیوں کی صبح خنداں سے بدل دوں۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگو! بہت ہی عظمت وبرکت کا مہینہ تم پر سایہ فگن ہونے والا ہے، یہ مہینہ وہ ہے جس میں ایک رات ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے، خدا نے اس مہینہ کے روزے فرض قرار دیے ہیں اور قیام لیل کو نفل قرار دیا ہے، جو شخص اس مہینہ میں دل کی خوشی سے بطور خود کوئی نفل کام کرے گا وہ دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر اجر پائے گا اور جو شخص اس مہینہ میں ایک فرض ادا کرے گا خدا اس کو دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے برابر ثواب عطا فرمائے گا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ یہ ایسا مہینہ ہے جس کے ابتدائی عشرہ میں رحمت، درمیانی عشرہ میں مغفرت اور آخری عشرہ میں دوزخ سے رہائی ہے، جو شخص اس مہینہ میں اپنے غلام (زیردست) سے کم کام لے اللہ اس کو بخش دے گا اور دوزخ سے آزاد کردے گا۔ (السنن الکبریٰ، الامام بیہقی)

ماہ مبارک کی اس فضیلت اور قدر واہمیت کی وجہ یہ ہے کہ یہی وہ مہینہ ہے جس میں انسانوں کو وہ لازوال ہدایت دی گئی جس پر کہنگی اور قدامت کا کبھی کوئی اثر نہیں ہوگا، کاش اس ماہ مبارک

کی قدر و منزلت کا احساس مسلمانوں کے دلوں میں ایسا پیدا ہو کہ وہ اس نعمت عظمیٰ سے کما حقہ فیض یاب ہونے کی پوری کوشش کریں اور اللہ کی رحمت کو یوں صدا دیں کہ زندگی کے سارے درد و داغ یکسر کافور ہو جائیں، اور مسلمانوں کو دنیا میں بھی عزت و آبرو کا مقام حاصل ہو اور آخرت میں بھی اللہ کی رضا و خوشنودی سے شاد کام ہوں۔

اے کاش! نزول قرآن کا یہ مہینہ ملت اسلامیہ کے ہر ہر فرد کو قرآن کریم کا ایسا والہ و شیدا بنا دیتا کہ وہ اسی کو اپنی زندگی کا آئینہ بنا لے اور وہ اسی کو ہر کتاب سے زیادہ پڑھے، اسی کو ہر کتاب سے زیادہ سمجھے اور اسی کے مفہوم و مدعا کو اپنی زندگی میں سب سے زیادہ اتارنے کی کوشش کرے حتیٰ کہ اس کی زندگی پوری کی پوری قرآن کا نمونہ بن جائے اس کی سیرت قرآن ہو، اس کا اخلاق قرآن ہو، اس کی فکر کا محور قرآن ہو، اس کی تہذیب قرآن ہو، اس کی تجارت، اس کی صنعت، اس کی حرفت، اس کی سیاست، اس کی معیشت غرض اس کی زندگی کا ہر معاملہ قرآن کی ہدایت کے نور سے منور ہو کہ یہی کتاب اس کو دنیا کی امامت و قیادت کے منصب سے بھی سرفراز کرے گی۔

یوں تو زوال امت کے اسباب میں عالم اسلام پر تاتاریوں کی یورش و یلغار، گروہی و مسلکی تعصبات اور اغیار کی سازشوں کا بالخصوص ذکر کیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ امت کی زبوں حالی، اس کے افتراق و انتشار اور رسوائی کا حقیقی اور بنیادی سبب اس عظیم امانت سے لاپرواہی ہے جس کا اسے خدا نے حامل و امین بنایا تھا، خدا کی غیرت بھی یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کے پیغام اور فرامین کی بے وقعتی کرنے والے عزت و سربلندی کا مقام پا سکیں، آج بھی اگر ہم اپنی گم شدہ عظمتوں کی بازیابی چاہتے ہیں تو اس کے لیے اس کتاب عزیز کی جانب پلٹنا اور اس کو اپنا رہنما بنانا ضروری ہوگا۔

اس نعمت کی عظمت کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ اسی نعمت کی شکر گزاری کے طور پر ہی اللہ تبارک و تعالیٰ نے ماہ مبارک کے روزے فرض قرار دیے تاکہ ہم نفسانی و شہوانی خواہشات کو دبا کر قرب الٰہی حاصل کر سکیں، روزہ کے اندر شہوات و خواہشات پر قابو پانے کی صلاحیت دیگر عبادات کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، کیوں کہ یہ انسان کے ارادہ کو مضبوط بناتا ہے اور اس کے اندر اپنی خواہشات و لذات پر حکمرانی کی طاقت عطا کرتا ہے، یہ خواہشات وہ چیزیں ہیں کہ اگر انہیں

آزادی حاصل ہو جائے تو انسانی تعلقات کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، اور آپس کا تعاون و اتحاد پارہ پارہ ہو کے رہ جاتا ہے، خواہشات پر قابو پا لینا دنیوی زندگی میں انسان کا سب سے بڑے دشمن پر قابو پا لینا ہے، جس کے بعد اس کا رخ خدا کی طرف ہو جاتا ہے، اور طہارت و پاکیزگی میں اس پر ملائکہ بھی رشک کرنے لگتے ہیں، البتہ اس مرتبہ بلند کو پانے کے لئے بڑے مجاہدے کی ضرورت ہے۔ خواہشات سے جنگ کرنے اور ان پر قابو پانے کی ضرورت ہے، روزوں کی حفاظت اور اس کے آداب کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے، اس طور کہ منہ کو کھانے اور پینے سے، آنکھوں کو بیہودہ اور فحش مناظر کی دید سے، کانوں کو گانے بجانے کی آواز سے، ذہن و دماغ کو شہوانی اور ہیجانی افکار و تصورات سے، ہاتھ اور پیر کو دوسروں کی ایذا رسانی سے اور زبان کو غیبت، چغلخوری، بہتان اور افترا پردازی سے مکمل طور پر محفوظ رکھا جائے، ارشاد رسول ﷺ ہے: من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ و شرابہ" (صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور والعمل بہ فی الصوم) جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے۔

بخشش و مغفرت اور آگ سے نجات کا یہ مہینہ ہمیں اپنے گناہوں سے مغفرت اور جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بچانے کی دعوت دیتا ہے، یہ ہمارے لیے بہترین موقع ہے کہ ہم کثرت سے اپنے گناہوں پر توبہ و استغفار کریں اور دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کے لیے ذکر و مناجات اور دعائیں کریں۔

غمخواری کا یہ مہینہ ہمیں غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ رحمت و ملاطفت کی روش اپنانے کی دعوت دیتا ہے کہ یہی چیز رحمت خداوندی کو متوجہ کرتی ہے۔ ماہ مبارک کے کسی بھی لمحہ کو ضائع نہ کیجئے۔ عبادت و تلاوت، ذکر و تسبیح، ہمدردی و خیر خواہی، اور غربا پروری کی روش کو اپنا کر اپنے رب غفور کو راضی کرنے کی کوشش کیجیے کہ "بدبخت ہے وہ شخص جس نے رمضان جیسے مہینہ کو پایا اور اپنی مغفرت کی کوشش نہ کی۔"

اللہ ہم سب کو ماہ مبارک کی لطافتوں، برکتوں اور فیضان رحمت سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

ب کا مغرب سے طلوع ہونا

یوسف بن عبداللہ بن یوسف الوابل

آفتاب کا مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہونا قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ایک ہے جو قرآن وسنت دونوں سے ثابت ہے

قرآنی دلائل سورۃ الانعام میں ہے "یوم یأتی بعض آیات ربك لا ینفع نفسا ایمانها لم تكن آمنت من قبل أو كسبت في ایمانها خیرا" (۱۵۸)

جس دن تیرے رب کی بعض آیتیں آئیں گی اس دن کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو اس سے پہلے صاحب ایمان نہ رہا ہو یا جس نے اپنے ایمان میں بھلائی نہ کمائی ہو۔

جمہور مفسرین کے نزدیک متعدد صحیح احادیث کی بناء پر بعض نشانیوں سے مراد آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہے (تفسیر قرطبی ۷/۱۴۵)

یعنی جب خدا کا ارادہ ہوگا کہ دنیا کو ختم کرے اور عالم کا موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے تو موجودہ قوانین طبعیہ کے خلاف بہت سے عظیم الشان خوارق وقوع میں آئیں گے ان میں سے ایک یہ کہ آفتاب مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا، غالباً اس حرکت مقلوبی اور رجعت قہقری سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہو کہ قوانین قدرت اور نوامیس طبعیہ دنیا کے موجودہ نظم ونسق میں کارفرما تھے ان کی میعاد ختم ہونے اور نظام شمسی کے الٹ پلٹ ہو جانے کا وقت آپہنچا ہے۔

احادیث نبویہ قیامت کے قریب آفتاب کے مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہونے پر دلالت کرنے والی حدیثیں بے شمار ہیں، چند حدیثیں ہدیۂ قارئین کی جا رہی ہیں۔

۱۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک واقع نہ ہوگی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہونے لگے، جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو لوگ یہ منظر دیکھ کر ایمان لائیں گے یہ وہ وقت ہوگا جب کسی ایسے شخص کا ایمان لانا نفع بخش نہ ہوگا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان میں نیکی نہ کمائی ہو" (صحیح بخاری ۱۱/۳۵۲)

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: چھ عظیم نشانیوں کے ظہور سے پہلے نیک اعمال میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو ان چھ نشانیوں میں آپ ﷺ نے آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے کو بھی شامل فرمایا" (صحیح مسلم ۱۸/۸۷)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلی نشانی آفتاب کا مغرب سے ہونا ہے (مسند احمد ۱۱/۱۰)

مغرب سے آفتاب کے طلوع کے بعد توبہ کی عدم مقبولیت اہل سنت والجماعت کے نزدیک طلوع الشمس من المغرب کے بعد کسی کا ایمان وتوبہ معتبر نہ ہوگا، کیونکہ اس منظر کو دیکھ کر ہر شخص کو قیامت کے بالکل قریب ہونے کا یقین ہو جائے گا، دنیا کا خاتمہ نظر آ رہا ہوگا، خواہشات ٹھنڈی پڑ جائیں گی اور معصیت کی جانب رجحان ناپید ہو جائے گا۔ لہذا جو شخص ان حالات میں توبہ کرے گا اس کی توبہ مقبول نہ ہوگی جس طرح جانکنی ونزع کے عالم میں توبہ مقبول نہیں ہوتی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: "التوبة مبسوطة مالم تطلع الشمس من مغربها" "توبہ کا دروازہ اس وقت تک کھلا رہے گا جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہونے لگے" (تفسیر طبری ج ۸/۱۰۱ ابن حجر کہتے ہیں اس کی سند عمدہ ہے فتح الباری ۱۱/۳۵۵)

توبہ کا یہ دروازہ جب بند ہوگا تو پھر تا قیامت نہ کھلے گا البتہ امام قرطبی کا خیال ہے کہ ایک مدت گزرنے کے بعد پھر توبہ قبول ہونے لگے گی اور انہوں نے بعض ایسی حدیثوں سے استدلال کیا ہے جو یا تو موقوف ہیں یا بے اصل" (فتح الباری ۱۱/۳۵۴)

امام قرطبی کی یہ رائے صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث ابن عمرو میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اس نشانی کے طلوع ہونے کے بعد تا قیامت کسی ایسے شخص کا ایمان معتبر نہ ہوگا جو پہلے سے ایمان لایا ہو (فتح الباری ۱۳/۸۸)

☆☆☆

☆☆☆

مقالات

تفسیر قرآن پاک

ایک جائزہ

محمود عالم

قرآن پاک اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب ہے، جو ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے، وہ اسی طرح محفوظ ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا، اس کے معانی ومفہوم ہی نہیں الفاظ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں، اس کے نزول کی ابتداء اس وقت ہوئی جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال ہو چکی تھی، غار حرا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور سورہ العلق کی ابتدائی آیتیں آپ ﷺ پر وحی کی گئیں، جستہ جستہ ۲۳ سال تک آپ پر قرآن پاک کی آیتوں کا نزول ہوتا رہا اور آخری وحی حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی، قرآن پاک آپ کو یاد ہو جاتا تھا اور آپ صحابہ کرامؓ کو لکھوا بھی دیا کرتے تھے، قرآن پاک کی ترتیب بھی آپ ﷺ کی دی ہوئی ہے، حضور ﷺ کے بعد جنگ موتہ میں ستر حفاظ کرام شہید ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے سامنے تجویز رکھی کہ قرآن پاک کے وہ اوراق جو مختلف چمڑے کے ٹکڑوں اور کھجور کی شاخوں پر لکھے ہوئے ہیں ان کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے، خلیفہ اول کے حکم سے اسے مرتب کیا گیا اور خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ نے اس نسخے کی اشاعت کا سامان فرمایا، آج پوری دنیا میں قرآن پاک کے اسی نسخے کی کاپیاں پائی جاتی ہیں، قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور آپ ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔

تفسیر کے لغوی معنی بیان کرنے، واضح کرنے، کھولنے کے ہیں، اصطلاح میں تفسیر اس علم کا نام ہے جس میں قرآنی آیات کے معنی بیان کئے جاتے ہیں، یعنی یہ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے کیا مراد لیا ہے، تفسیر میں الفاظ کے معنی اس کی تحلیل صرفی اور ترکیب نحوی اور اس کی بلاغت بیان کرتے ہیں، شان نزول اور وہ تاریخی پس منظر بیان کیا جاتا ہے جس میں وہ آیتیں اور احکام نازل ہوئے، مجمل احکام کی تفصیل اور مطلق کو مقید کر کے حکم کی تعیین کی جاتی ہے،

الفاظ اپنے حقیقی معنی پر دلالت کرتے ہیں یا مجازی معنی میں مستعمل ہیں اس کی وضاحت کی جاتی ہے، قرآنی ہدایات کی روشنی میں حلال وحرام کی تفصیل بیان کی جاتی ہے اور دیگر احکام کی تخریج اور استنباط کیا جاتا ہے، تفسیر کا تعلق علم قرات سے بھی ہے اور علم صرف اور نحو سے بھی، علم بلاغت سے بھی اور علم بیان سے بھی، علم حدیث اور آثار سے بھی ہے اور علم کلام سے بھی، علم فقہ سے بھی ہے اور اصول سے بھی، بلکہ یوں کہ علم کے تمام شعبوں سے قرآن پاک کی تفسیر کا سررشتہ ملتا ہے، کیونکہ قرآن پاک تمام علوم کا سرچشمہ ہے اور اس کی تفسیر بھی انکشافات کے ذریعہ پھیلتی جا رہی ہے اور اس کے عجائبات بڑھتے ہی جا رہے ہیں، اس لئے کوئی مفسر یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے تفسیر کا حق ادا کر دیا ہے اور اس پر تمام معانی منکشف ہو چکے ہیں، یہ اللہ کا کلام ہے اور ہدایت حاصل کرنے کے لئے جس قدر آسان ہے اس کے رموز ونکات اور عجائبات تک رسائی اسی قدر محنت طلب ہے اور بغیر توفیق الٰہی ممکن نہیں، ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

قرآن پاک کی تفسیر قرآن پاک کی بعض آیات خود ہی بعض آیات کی تفسیر کرتی ہیں، اس کے بعد اس کے اولین مفسر، شارح اور شارع حضور اقدس ﷺ ہیں، جن آیات کی تفسیر میں حضور ﷺ کی حدیث (قول، فعل یا تقریر) موجود ہے تو کسی کو اس میں ترمیم یا اضافہ کرنے کا حق نہیں، مجمل احکام کی تفصیل آپ ﷺ نے جب بیان فرما دی تو پھر کسی مفسر کو اس پر اضافہ کا حق نہیں، اسی طرح جن مسائل میں نص قرآنی موجود نہیں ہے وہاں آپ ﷺ نے بحیثیت شارع قانون سازی فرما دی تو اب کسی کو اس مسئلہ میں چوں وچرا کا حق نہیں ہے۔

اکثر صحابہ کرامؓ قرآن پاک کے معنی اور مفہوم سے خوب واقف تھے کیونکہ قرآن پاک ان کی زبان میں نازل ہوا تھا اور جہاں ان کو دشواری پیش آتی تھی رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرما لیتے تھے، لیکن صحابہ کرام میں بھی فہم وفراست، ذہانت اور ذکاوت اور علمی لحاظ سے برابر نہیں تھے، بعض صحابہ کو بعض پر بعض لحاظ سے فضیلت حاصل تھی، یہی وجہ ہے کہ صحابہ میں چند ایسے تھے جو قرآن فہمی میں سب پر فوقیت لے گئے تھے، صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علی ابن ابی طالبؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ اپنی قرآن فہمی کے لئے بے حد مشہور ہیں، اور تفسیر کی کتابوں میں آپ دیکھیں گے کہ ان بزرگوں کے تفسیری اقوال اور رائیں اور روایات کثرت کے ساتھ منقول ہیں، ان میں سے ہر ایک نہ صرف تفسیر کے امام تھے بلکہ ایک تفسیری اسکول کے بانی بھی ہیں، حضرت

عبداللہ بن عباس حضور اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے، آپ کی ولادت ہجرت سے تین سال قبل اس زمانہ میں ہوئی تھی جس زمانے میں آپ ﷺ مکہ کی گھاٹی میں محصور تھے، حضور ﷺ کی وفات کے وقت آپؓ کی عمر چودہ سال تھی، آپ بچپن ہی سے حضور ﷺ کی خدمت میں رہے، حضور اکرم ﷺ نے آپ کے لئے دعا فرمائی تھی کہ "اللھم فقهه في الدين وعلمه التاويل" ام المومنین حضرت میمونہؓ آپ کی خالہ تھیں، آپؓ کی پرورش حضور ﷺ کے گھر میں ہوئی تھی، آپ نے اکابر صحابہ کرام سے تفسیر اور حدیث کا علم حاصل کیا، تفقہ فی الدین کے لحاظ سے آپ نہایت بلند مقام پر فائز تھے، امیر المومنین حضرت عمرؓ اور اکابر صحابہ کو جب قرآن پاک کی کسی آیت کے مفہوم کو سمجھنے میں دشواری پیش آتی تھی تو وہ حضرت ابن عباسؓ کی طرف رجوع کرتے تھے، آپؓ نے ستر سال کی عمر میں وفات پائی اور طائف میں مدفون ہوئے، محمد ابن الحنفیہ نے ان کی تدفین کے بعد فرمایا: مات والله اليوم حبر هذه الامة

حضرت ابن عباس کو اللہ تعالیٰ نے بے انتہا تفقہ فی الدین عطا فرمایا تھا، آپ نے بڑی محنت سے حدیث کا علم حاصل کیا، عرب کے قدیم شعراء کے کلام اور عربی زبان کا علم حاصل کیا اور انبیاء کے احوال جو قرآن پاک میں مجمل بیان ہوئے ہیں ان کی تفصیل کے لئے آپ نے اہل کتاب کے علماء سے تفصیلات معلوم کیں، سابق امتوں اور انبیاء کے احوال کے سلسلہ میں اہل کتاب کے علماء سے استفادہ کرنے پر بعض مفسرین حضرت ابن عباس کے اس علمی رویہ پر معترض بھی ہیں، کہ اس طرح سے اسرائیلی روایات تفسیر میں در آئی ہیں لیکن وہ یہ نہیں دیکھتے کہ حضرت ابن عباس عقیدہ یا اصول دین یا فروع میں اسرائیلی روایات کو قبول نہیں کرتے تھے بلکہ قصص اور واقعات کے سلسلہ میں صرف ان روایات کو لیتے تھے جو دین اور عقل کے مطابق ہوتی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

عبداللہ بن مسعود ابتدائی زمانے میں ہی مسلمان ہو گئے تھے، آپ اور آپ کی والدہ محترمہ کا حضور اکرم ﷺ کے گھر میں اس کثرت سے آنا جانا رہتا تھا کہ اکثر صحابہ آپ کو اہل بیت میں سمجھتے تھے، آپ کی والدہ کا نام ام عبد بنت عبدود تھا اس لئے آپ کو ابن ام عبد کے نام سے بھی تذکرہ نگاروں نے یاد کیا ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہتے تھے آپ نے پہلے حبشہ پھر مدینہ ہجرت فرمائی، بدر، احد، خندق، بیعت رضوان، تمام موقعوں پر آپ حضور ﷺ کے ساتھ رہے، جنگ یرموک میں شریک رہے اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں کوفہ کے بیت المال کے ذمہ دار رہے، آخری عمر میں مدینہ منورہ

تشریف لائے اور ساٹھ سال سے زیادہ عمر میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے

حضرت عمرؓ نے جب عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ بھیجا تھا تو اہل کوفہ کو لکھا تھا کہ میں عمار ابن یاسر کو امیر اور عبداللہ بن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیج رہا ہوں، حضور ﷺ بھی کبھی آپؓ سے قرآن پاک سننے کی فرمائش کرتے تھے، ابن عباسؓ کے بعد سب سے زیادہ تفسیری روایات آپ ہی سے مروی ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب

ہم اہل السنت والجماعت کا عقیدہ یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت حاصل ہے، نبی کریم ﷺ کو تمام مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے، بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر، انبیاء کرام کے بعد صحابہ کرام انسانوں کی جماعت میں سب سے افضل ہیں، اور صحابہ میں خلفاء راشدین کی افضلیت دیگر صحابہ پر مسلم ہے، خلفاء راشدین میں ہم افضلیت کی وہی ترتیب درست سمجھتے ہیں جس طرح وہ مسند خلافت پر بالترتیب تشریف لائے، اس لحاظ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ چوتھے نمبر پر ہیں، لیکن تاریخ اسلامی کا ہر طالب علم جب حضرت علیؓ کے اعلی صفات اور خوبیوں پر نظر کرے گا تو اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تاریخ انسانی میں ایسی جامع صفات شخصیت دوسری نظر نہیں آتی، اس کے باوجود کہ ہم حضرت علیؓ کو دیگر خلفائے راشدین پر فضیلت دینا بے ادبی سمجھتے ہیں اس حقیقت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ حضرت علیؓ کو اللہ تعالیٰ نے جامع صفات بنایا تھا اور نبی کریم ﷺ کے بعد کسی کے لئے اگر یہ فقرہ کہا جا سکتا ہے تو آپ کی ذات ہے، آں

چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔

خطابت، شاعری، علم کلام اور علم بیان، فقہ، حدیث، تفسیر، انساب اور علم کا کون سا شعبہ ایسا ہے جو اس زمانے میں رہا ہو اور آپ کو اس پر دسترس نہ ہو، یہ بالکل سچ ہے کہ آپ کے عہد میں آپ سے بڑا عالم مفتی اور قاضی کوئی دوسرا نہ تھا شخصیت کی دوسری جہت دیکھئے آپ شہسواری، پہلوانی اور سپہ گری کے دوسرے فنون میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے، تاریخ کے اوراق اس پر گواہ ہیں آپ نے بڑے بڑے سورماؤں کو شکست دی، تیسری جہت، روحانی اور اخلاقی لحاظ سے آپ اخلاق کے اعلی مقام پر فائز تھے، چوتھی جہت رسول اللہ ﷺ سے قرابت داری اور ایمان میں سبقت کی ہے، اس لحاظ سے بھی آپ نہایت بلند و بالا مقام پر فائز ہیں، جہاں تک علم تفسیر کا تعلق ہے تو اس میں بھی آپ کا مرتبہ نہایت بلند ہے، کہا جاتا ہے کہ قرآن پاک کی کوئی ایسی آیت نہیں جس کے بارے میں حضرت علیؓ نہ جانتے ہوں کہ کب اور کن حالات میں نازل ہوئی تھی۔

حضرت ابی بن کعب بن قیس الانصاری حضرت ابی بن کعب کاتبین وحی میں سے ہیں، بیعت عقبہ اور جنگ بدر میں شریک رہے، حضرت عمرؓ آپ کو سید المسلمین کہا کرتے تھے، حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں انتقال ہوا، آپ سید القراء تھے اور رسول اللہ ﷺ آپ سے قرآن سنانے کی فرمائش کیا کرتے تھے۔

اوپر جن صحابہ کرامؓ کا ذکر ہوا ان کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ ایسے تھے جن سے تفسیری روایات منقول ہیں، ہم نے اوپر جن اصحاب رسول ﷺ کا ذکر کیا ہے وہ فن تفسیر کے امام ہیں ان کے علاوہ حضرت زید، حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عمر اور حضرت ابوموسیٰ الاشعری سے بھی تفسیری روایات منقول ہیں اور ان لوگوں کا شمار عہد رسالت کے اصحاب القضاء میں ہوتا ہے۔

عہد تابعین میں تفسیر تابعین کے زمانے میں فتوحات اسلامی کی وجہ سے اسلامی حکومت اور سلطنت کا دائرہ نہایت وسیع ہو گیا تھا، اور صحابہ کرامؓ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی، تین بڑے شہر اس وقت علم دین کا مرکز بن گئے تھے، مکۃ المکرمۃ، مدینہ منورہ اور کوفہ۔

مکہ مکرمہ کا علمی مرکز حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگردوں نے قائم کیا تھا، ان میں مشہور مفسرین حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ مولی ابن عباس، حضرت طاؤس بن کیسان الیمانی اور عطاء بن ابی رباح ہیں۔

سعید بن جبیر آپ کبار تابعین میں سے ہیں، حدیث، فقہ اور تفسیر میں امام تھے، حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود سے آپ نے تفسیر کا علم حاصل کیا تھا، شعبان ۹۵ھ میں حجاج کے ہاتھوں شہید ہوئے، شہادت سے پہلے حجاج سے آپ کا مناظرہ بھی ہوا تھا، اس وقت آپ کی عمر ۴۹ سال تھی۔

مجاھد بن جبر عمر بن خطابؓ کے زمانہ خلافت میں ۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۳ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات ہوئی۔ ۸۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ آپ نے تفسیر کا علم عبداللہ بن عباس سے حاصل کیا، امام شافعی اور امام بخاری نے آپ کی روایات پر اعتماد کیا ہے، مجاہد پہلے مفسر ہیں جنھوں نے تفسیر میں عقل اور فکر کو استعمال کیا اور روایت سے بحث کر یات کی۔

عکرمہ البربری آپ ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، آپ نے ابن عباس کے علاوہ حضرت علی اور حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث اور تفسیر کا علم حاصل کیا، ۱۰۴ھ میں وفات پائی، فقہ اور تفسیر

میں اپنے وقت کے بڑے عالم تھے۔

طاؤس بن کیسان الیمانی آپ بڑے متقی اور صاحب علم تھے، پچاس سے زائد صحابہ کرام سے علم دین حاصل کیا، ابن عباس کے عزیز شاگردوں میں تھے، آپ مستجاب الدعوات تھے، آپ نے چالیس مرتبہ حج کیا تھا، ۱۰۶ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

عطاء ابن ابی رباح ۲۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۴ھ میں وفات پائی، ابن عباس، ابن عمر اور دیگر دو سو صحابہ سے علم دین حاصل کیا تھا، امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ جن علماء سے میں نے ملاقات کی ان میں عطاء کو سب سے افضل پایا۔

مدینہ منورہ کا علمی مرکز حضرت ابی بن کعب کے شاگردوں نے قائم کیا تھا، اس مرکز سے وابستہ مشہور مفسرین تابعین یہ ہیں، حضرت زید بن اسلم، حضرت ابوالعالیہ رفیع بن مہران اور حضرت محمد بن کعب القرظی۔

ابوالعالیہ آپ نبی کریم ﷺ کے وفات کے دو سال بعد ایمان لائے، ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر اور ابی بن کعب اور دیگر صحابہ سے حدیث اور تفسیر کا علم حاصل کیا، کبار تابعین میں سے تھے، صحاح ستہ کے مؤلفین نے آپ کی روایات کو قبول کیا ہے۔

محمد بن کعب القرظی انھوں نے ابی بن کعب کے علاوہ حضرت علی، ابن مسعود اور ابن عباس وغیرہ سے تفسیر کا علم حاصل کیا، ۷۸ سال کی عمر میں ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔

زید بن اسلم یہ تفسیر بالرائے کے جواز کے قائل تھے، امام مالک بن انس نے ان کی روایتوں کو قبول کیا ہے، ۱۳۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ عراق یعنی کوفہ کا علمی مرکز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں نے قائم کیا تھا اور اس مرکز سے وابستہ مشہور مفسرین کے اسمائے گرامی یہ ہیں، حضرت علقمہ بن قیس، حضرت مسروق بن الاجدع، حضرت الاسود بن یزید بن قیس النخعی، حضرت مرۃ بن شراحیل الہمدانی المعروف بمرۃ الطیب ومرۃ الخیر، حضرت عامر بن شراحیل الشعبی الحمیری، حضرت ابوسعید الحسن بن ابی الحسن البصری اور حضرت قتادۃ بن دعامۃ السدوسی۔

حضرت علقمہ بن قیس آپ نے حضرت عمر، حضرت علی، اور حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ سے علم دین حاصل کیا، ۶۱ھ میں انتقال ہوا اس وقت آپ کی عمر ۹۰ سال تھی، صحاح ستہ کے مؤلفین نے ان کی روایتوں کو قبول کیا ہے۔

مسروق بن عبدالرحمن آپ کا نام مسروق بن الاجدع تھا، استاد نے نام بدل کر مسروق بن عبدالرحمن رکھ دیا، خلفائے راشدین اور حضرت ابی بن کعب سے علم دین حاصل کیا، ابن مسعود کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ ۶۳ھ میں وفات ہوئی۔

الاسود بن یزید کبار تابعین میں سے تھے، عبداللہ بن مسعود کے خاص شاگردوں میں تھے، حضرت ابوبکر، عمر، علی، حذیفہ اور بلال وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، صحاح ستہ کے مؤلفین نے ان کی روایتوں کو قبول کیا ہے، ۷۲ھ میں انتقال ہوا۔

مرۃ الہمدانی مرۃ الطیب اور مرۃ الخیر کے نام سے معروف ہیں، یہ اس وجہ سے کہ آپ نہایت متقی اور عبادت گزار تھے، کہا جاتا ہے کہ روزانہ ۶۰۰ رکعات نماز ادا کرتے تھے، صحاح ستہ کے مؤلفین نے ان کی روایتوں کو قبول کیا ہے۔ ابن مسعود کے علاوہ حضرت ابوبکر، عمر، علیؓ سے علم دین حاصل کیا، ۷۶ھ میں انتقال ہوا۔

عامر الشعبی یہ کوفہ کے قاضی تھے، حضرت علی، حضرت عمر، اور حضرت ابن مسعود سے علم دین حاصل کیا، ان کے علاوہ ابوہریرۃ، حضرت عائشہ، ابن عباس اور ابوموسیٰ الاشعری اور ۴۸ صحابہ سے علم دین حاصل کیا تھا، ۲۰ھ میں ولادت ہوئی تھی، ۱۰۹ھ میں انتقال فرمایا۔

حسن البصری حضرت عمر کی خلافت کے زمانے میں پیدا ہوئے، بڑے عابد، زاہد، فقیہ، محدث اور مفسر اور واعظ تھے، آپ اپنی فصاحت کلام اور تاثیر کلام کی وجہ سے تاریخ میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں، ان کی والدہ حضرت خیرۃ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی باندی تھیں، ام المؤمنین کی آغوش رحمت میں آپ کی پرورش ہوئی، ۸۸ سال کی عمر میں ۱۱۰ھ میں انتقال ہوا۔

قتادة آپ کا حافظہ نہایت قوی تھا، فقہ، حدیث اور تفسیر کے امام تھے، ۵۶ سال کی عمر میں ۱۱۷ھ میں انتقال ہوا۔

تفسیر کی کتابوں میں جو ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ قتادہ یہ فرماتے ہیں مجاہد کا یہ قول ہے عطاء کی رائے یہ ہے، وغیرہ، یہ سب مشہور تابعین مفسرین ہیں، جنھوں نے تفسیری روایات کو صحابہ کرامؓ سے ہم لوگوں تک پہنچایا ہے، صحابہ اور عہد تابعین تک ہم تفسیر میں سنت اور آثار کی کثرت دیکھتے ہیں، ان کے یہاں تفسیر میں ماثوری رنگ ہی غالب ہے، زیادہ سے زیادہ اہل کتاب کی بیان کردہ روایتیں تفسیر میں داخل ہوئی ہیں لیکن وہ بھی ایک حد تک۔

تابعین کے بعد تبع تابعین کا عہد شروع ہوا اور یہی وہ زمانہ ہے جس میں تفسیر کی تدوین کا اہتمام پایا، اول اول جو تفسیریں مدون ہوئیں وہ اکثر ماثوری تھیں، تفسیر ماثوری اس کو کہتے جس میں مفسر اپنے ذاتی قیاس کے بجائے قرآن پاک کی تفسیر خود قرآنی آیات سے یا حضور اکرم ﷺ کے اقوال سے یا صحابہ کرامؓ کے کسی قول سے یا کسی تابعی کے قول سے کرتے ہیں۔

ماثوری تفاسیر میں چند مشہور تفاسیر کے نام یہ ہیں۔

۱۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن	ابن جریر الطبری	(المتوفی ۳۱۰ھ)
۲۔ بحر العلوم	ابو اللیث السمرقندی	(المتوفی ۳۷۳ھ)
۳۔ کشف البیان عن تفسیر القرآن	ابو اسحق الثعلبی	(المتوفی ۴۲۷ھ)
۴۔ معالم التنزیل	ابو محمد الحسین البغوی	(المتوفی ۵۱۰ھ)
۵۔ المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز	ابن عطیہ الاندلسی	(المتوفی ۵۴۶ھ)
۶۔ تفسیر القرآن العظیم	ابو الفداء الحافظ ابن کثیر	(المتوفی ۷۷۴ھ)
۷۔ الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن	عبدالرحمن الثعالبی	(المتوفی ۸۷۶ھ)
۸۔ الدر المنثور فی التفسیر الماثور	جلال الدین السیوطی	(المتوفی ۹۱۱ھ)

اسلامی سلطنت اور اسلامی حکومت کا دائرہ جیسے جیسے بڑھتا گیا، نئے نئے مسائل پیدا ہوتے گئے، یونانی فلسفہ اور دیگر مذاہب کے عقائد اور افکار سے مسلمان علماء کو واسطہ پڑا اور اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جانے لگی کہ کلامی مسائل کا حل اور فکری سطح پر اٹھائے گئے سوالات کا جواب دیا جائے، چنانچہ بعد کے مفسرین نے محض روایات پر قناعت کرنے کے بجائے علمی اور فلسفیانہ موشگافیاں کرنے لگے اور حتی المقدور ان سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کی جو ان کے عہد میں اٹھائے جارہے تھے، بہرحال اس قسم کی تفسیروں کو اہل علم نے تفسیر بالرائے کے زمرے میں شمار کیا ہے، ان میں سے کچھ تفاسیر کو مقبول خاص وعام بھی حاصل ہوا ہے، جن کے جائز اور مقبول ہونے پر اہل علم کا تقریباً اتفاق ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

۱۔ مفاتیح الغیب	الرازی، محمد بن عمر فخر الدین	(المتوفی ۶۰۶ھ)
۲۔ انوار التنزیل واسرار التاویل	البیضاوی، قاضی ناصر الدین ابو الخیر عبداللہ بن عمر	(المتوفی ۶۸۵ھ)
۳۔ مدارک التنزیل وحقائق التاویل	النسفی، عبداللہ بن احمد بن محمود	(المتوفی ۷۰۱ھ)

۴۔ لباب التاویل فی معانی التنزیل — الخازن: علاء الدین ابوالحسن علی بن محمد (المتوفی ۷۴۱ھ)

۵۔ البحر المحیط — ابوحیان: اثیر الدین ابوعبداللہ محمد بن یوسف (المتوفی ۷۴۵ھ)

۶۔ غرائب القرآن ورغائب الفرقان — النیسابوری: نظام الدین الحسن بن محمد بن الحسین (المتوفی ۸۲۸ھ)

۷۔ تفسیر الجلالین — جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی (المتوفی ۸۶۴ھ، المتوفی ۹۱۱ھ)

۸۔ السراج المنیر — الخطیب الشربینی: شمس الدین محمد بن محمد (المتوفی ۹۷۷ھ)

۹۔ ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم — ابوالسعود محمد بن محمد بن مصطفی العمادی (المتوفی ۹۸۲ھ)

۱۰۔ روح المعانی — الآلوسی: ابوالثناء شہاب الدین السید محمود آفندی (المتوفی ۱۲۷۰ھ)

ان تفاسیر کے علاوہ کچھ تفاسیر ایسی ہیں جو اہل سنت کے علاوہ دیگر فرقوں اور مسلک کے علماء کی لکھی ہوئی ہیں، معتزلہ، خوارج اہل تشیع نے بھی تفاسیر لکھی ہیں، لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم اور اکثر علمائے اہل سنت نے ان تفاسیر کو گمراہ کن اور باطل قرار دیا ہے، اس لئے ان کی تفصیل بیان کرنے کا کچھ حاصل نہیں۔

اہل تشیع میں فرقہ زیدیہ اہل سنت سے بہت قریب ہے اور ان کے عقائد اہل سنت سے بہت ملتے جلتے ہیں، اس لئے علامہ محمد بن علی بن عبداللہ الشوکانی (پ ۱۱۷۳ھ) کی تفسیر فتح القدیر کو اہل سنت کے درمیان مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

معتزلہ میں صرف ابوالقاسم محمود بن محمد بن عمر الخوارزمی الزمخشری (۴۶۷۔۵۳۸ھ) کی تفسیر الکشاف عن حقائق التنزیل کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کو اہل علم نے اس کی بعض خوبیوں کی وجہ سے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے، قرآنی آیات کی بلاغت کے بیان میں اس سے بہتر تفسیر نہیں لکھی گئی، اہل علم ہر دور میں اس سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔

اہل تصوف کی تفسیری خدمات بھی قابل ذکر ہیں، ابن عربی کی تفسیر کے علاوہ بہت سی تفاسیر ہیں جو خاص صوفیانہ رنگ میں لکھی گئی ہیں، بعض تفاسیر ایسی ہیں جو فقہی مسلک کے لحاظ سے لکھی گئی ہیں، یعنی ان میں مختلف فقہ کے ماننے والوں نے اپنے مسلک فقہی کو واضح اور راجح ثابت کرنے کے لئے تفسیریں لکھی ہیں، مثلاً ابوبکر احمد بن علی الرازی المشہور بالجصاص الحنفی کی تفسیر احکام القرآن اور ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح القرطبی المالکی کی تفسیر الجامع لاحکام القرآن اہل علم کے درمیان فقہی مسائل کی تحقیق کے لئے معروف ومقبول ہے، قرطبی کی تفسیر بیس جلدوں میں ہے۔

بیسویں صدی میں جو تفاسیر لکھی گئی ہیں ان میں الامام محمد عبدہ اور ان کے مکتب فکر کے اہل علم کی تفاسیر خاص اہمیت کی حامل ہیں، ان میں السید رشید رضا مصری اور الشیخ مصطفی المراغی کی تفاسیر قابل ذکر ہیں، لیکن یہ وہ زمانہ ہے، جس کو ہم فتنہ کا دور کہہ سکتے ہیں، اس عہد میں آزادی فکر کی ایسی آندھی چل رہی تھی کہ اہل عرب اس تیز آندھی میں تنکے کی طرح منتشر تھے، مغربی افکار وخیالات سے اس قدر مرعوب تھے کہ روایات کو رد کرکے من مانی تاویلات کر رہے تھے، فن تفسیر کا جائزہ لینے کے لئے تو ان کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے لیکن علمی لحاظ سے یہ تفاسیر ہمارے کسی کام کی نہیں ہیں۔

ہمارے عہد میں عربی زبان میں تین اہم تفاسیر لکھی گئی ہیں، تفسیر فی ظلال القرآن از سید قطب شہید دوم عبدالرحمن ناصر السعدی کی تفسیر تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان، یہ تفسیر سات جلدوں میں ہے سوم محمد علی الصابونی کی تفسیر صفوۃ التفاسیر یہ تین جلدوں میں ہے، فی زمانہ عربی تفاسیر میں سب سے زیادہ مقبولیت فی ظلال القرآن کو ہوئی، چھ جلدوں میں لکھی گئی اس تفسیر کا ترجمہ اردو میں ہوچکا ہے اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے ایسی روحانی اور وجدانی تفسیر شاید کسی دوسری زبان میں نہیں لکھی گئی، یہ تفسیر براہ راست انسان کی روح، اس کے قلب اور وجدان کو اپیل اور متاثر کرتی ہے، اس کے مصنف کو شہادت سے کم مرتبہ نہیں ملنا چاہیے تھا، اور اللہ تعالی نے اس سے سرفراز فرمایا، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

جس زمانے میں عالم عرب میں علم دین کی روشنی مدھم ہوچکی تھی برصغیر ہند وپاک میں علماء علم دین کا چراغ روشن کئے ہوئے تھے، یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے، تفصیل کے لئے آپ مولانا عبدالحی صاحب کی کتاب "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" کا مطالعہ کرسکتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے نے جس طرح حدیث شریف کی خدمت کی اسی طرح قرآن پاک اور علوم القرآن کی ترویج واشاعت میں بھی نمایاں کردار انجام دیا، شاہ صاحب کے صاحبزادوں میں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے ترجمہ اور تفسیر نگاری کی داغ بیل ڈالی اور اس کام کو آگے بڑھایا، بیسویں صدی میں جو فکری انتشار پیدا ہوا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اس کو بہت قبل بھانپ لیا تھا اور انھوں نے اصول تفسیر پر اپنی لاجواب تصنیف "الفوز الکبیر" لکھ کر آئندہ کے تفسیر نگاروں کے لئے رہنما خطوط متعین کردیئے تھے۔

ہندوستان میں عربی زبان میں تفسیریں لکھی گئیں اور فارسی میں بھی اور اس کے بعد

اردو زبان میں ترجمہ اور تفسیر کا ایک سلسلہ اب شروع ہوا اور ایسی بے نظیر اور بے مثل تفاسیر لکھی گئیں کہ اردو والے اس پر جس قدر فخر کریں کم ہے۔

عربی زبان میں ہندوستان میں لکھی گئی تفاسیر میں مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ کی تفسیر مظہری کو بے حد مقبولیت نصیب ہوئی، اس تفسیر کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر بیان القرآن میں بار بار اس کا حوالہ دیتے ہیں، الشیخ الزاہد کی تفسیر تفسیر زاہدی فارسی کی مختصر تفسیر میں ایک لاجواب کتاب ہے، مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ نے اپنے رسائل میں بار بار اس کا ذکر کیا ہے، اس تفسیر کے سورہ فاتحہ کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے، اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ الشیخ الزاہد کی نظر تمام ماثوری تفاسیر پر تھی۔

اردو زبان میں قرآن پاک کے سیکڑوں ترجمے لکھے گئے، اس پر تحقیقی مقالہ بھی لکھا جا چکا ہے تفسیر لکھنے کی ضرورت علماء کو اس وقت شدت سے محسوس ہوئی جب سرسید احمد خاں نے اردو میں تفسیر لکھ کر ایک فتنہ بیدار کیا، سب سے پہلے مولانا عبدالحق حقانیؒ نے سرسید احمد خاں کی تفسیر کے جواب میں تفسیر لکھی اور فرض کفایہ ادا کیا، یہ تفسیر حقانی کے نام سے معروف ہے، خاکسار تحریک کے بانی عنایت اللہ مشرقی نے بھی تفسیر لکھی جو اپنے زبان و بیان کے اعتبار سے اور استدلال کے لحاظ سے ایک اہم تفسیر ہے لیکن سرسید احمد خاں کی طرح یہ بھی جدید سائنسی علوم سے اس قدر مرعوب تھے کہ سائنسی مفروضات کو درست سمجھ کر قرآنی آیات کی اس کے مطابق تاویل کر رہے تھے۔

اردو میں سب سے اہم تفسیر مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تالیف فرمائی جس کی طرف آج بھی اہل علم رجوع کرتے ہیں، مختصر تفسیر میں مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی تفسیر بھی بہت خوب ہے، مولانا ابوالکلام آزادؒ نے بھی تفسیر لکھنے کا آغاز کیا مگر تکمیل کی توفیق نصیب نہ ہوسکی، بعض مقام پر اختلاف کرتے ہوئے بحیثیت مجموعی یہ ایک عمدہ تفسیر ہے، خاص طور پر سورۃ فاتحہ کی تفسیر ایسی مفصل اور لاجواب ہے کہ ایسی تفسیر کسی زبان میں نہیں لکھی گئی، مسلک کی نمائندگی کرنے والے مفسرین میں اہل حدیث، دیوبندی اور بریلوی علماء کی تفسیریں بھی قابل توجہ ہیں، مولانا احمد رضا خان فاضل بریلویؒ کے ترجمہ کے ساتھ مولانا نعیم الدین مرادآبادی کی تفسیر نعیمی اور مولانا طاہر القادری کی تفسیر بریلوی مکتب فکر کی نمائندہ تفاسیر ہیں، احسن التفاسیر از مولانا احمد حسن دہلویؒ اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی تفسیر ثنائی کو اہل حدیث علماء کی نمائندہ تفاسیر میں شمار کیا جاسکتا ہے، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا مفتی شفیع کی

تفسیریں علمائے دیوبند کی نمائندہ تفاسیر ہیں، دورس قرآن پاک کے نام سے ایک تفسیر شائع ہوئی ہے جس کو علماء کے ایک بورڈ نے ترتیب دیا ہے یہ تفسیر اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں تمام قدیم وجدید تفاسیر کا خلاصہ نہایت سہل اور آسان زبان میں کیا گیا ہے۔

ہمارے عہد میں اردو زبان میں تین اہم تفاسیر لکھی گئی ہیں، تفہیم القرآن، معارف القرآن اور تدبر القرآن، ان تینوں تفاسیر نے قدیم وجدید ساری تفاسیر کے جواہر پاروں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے، اور اردو والوں کو عربی کی قدیم وجدید ساری تفاسیر سے بے نیاز کر دیا ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفسیر تفہیم القرآن ہمارے عہد اور اردو زبان کی ایک شاہکار تصنیف ہے، مولانا کونی آیات کی جب تفسیر کرتے ہیں تو سائنسی انکشافات اور علوم سے استدلال کرتے ہیں لیکن اس طرح کہ قرآن کو حقیقت اور بنیاد بنا کر سائنسی علوم اور انکشافات سے اس کو واضح کرتے ہیں، ان سے قبل سرسید احمد خاں اور دیگر مفسرین کے یہاں مرعوبیت ہے مولانا کے یہاں مرعوبیت نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی، پچھلی اقوام اور انبیاء سابقین کے احوال کے لئے وہ تنہا اسرائیلی روایات پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ عقلی استدلال اور دیگر جدید تاریخی شواہد سے کام لیتے ہیں، معاشرتی مسائل سے متعلق آیات کی تفسیر کرتے وقت عمرانی علوم اور سماجی علوم سے بھر پور استفادہ کرتے ہیں، لیکن یہاں کورانہ تقلید نہیں ہے بلکہ تنقیدی نگاہ سے اسے پرکھتے ہیں پھر اسے پیش کرتے ہیں، فقہی مسائل میں وہ تمام فقہاء کی رائے دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، پھر اپنی رائے کو مدلل بیان کرتے ہیں، وہ جگہ جگہ جدید فلاسفہ اور مستشرقین اور ان کے مقلدین کی تردید بھی کرتے جاتے ہیں، کبھی نام لے کر اور کبھی بغیر نام لئے ہوئے، مولانا کی تفسیر ایک داعیانہ تفسیر ہے، اسلام کو وہ ایک زندہ تحریک اور مشن سمجھتے ہیں اس لئے ان کی تفسیر میں اس بات کا اہتمام ہے کہ وہ اپنے قاری کو ایک داعی کی حیثیت سے تیار کرتے جاتے ہیں اور اس کی ذہنی اور فکری تربیت اسی نہج پر کرتے جاتے ہیں، مولانا کا دماغ استدلالی ہے اس لئے وہ ذہن کی گرہوں کو کھولتے ہیں، ان کی باتیں فکر و ذہن کو متاثر کرتی ہیں، سید قطب کی طرح روح، قلب اور وجدان کو نہیں۔

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر معارف القرآن جو آٹھ جلدوں میں ہے، اس میں فقہی مسائل کو نہایت شرح وبسط سے بیان کیا گیا ہے، کہیں کہیں تذکیری پہلو بھی ہے، سماجی اصلاح اور معاشرتی مسائل کو حل کرنے کی کوشش بھی ہے، زبان عام فہم اور آسان ہونے کی وجہ سے عوام کے لیے

بے حد مفید ہے، مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن نو جلدوں میں ہے، یہ خالص عالمانہ تفسیر ہے، الفاظ کی تحقیق میں مولانا نے جس طرح محنت کی ہے اور قدیم عرب شعراء کے اشعار اور کلام سے جس طرح استدلال کیا ہے وہ بس مولانا ہی کا حصہ ہے، مولانا امین احسن اصلاحی قرآنی علوم کے زبردست ماہر مولانا حمید الدین فراہی کے شاگرد اور ان کے خوشہ چیں ہیں بلکہ فراہی کو جس طرح انھوں نے مدون کیا ہے وہ اس صدی کا سب سے بڑا علمی کارنامہ ہے، نویں صدی ہجری کے آخر میں امام البقاعی نے ۲۲ جلدوں میں نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور لکھی لیکن علامہ فراہی اور مولانا اصلاحی نے اس کام کو زیادہ بہتر طور پر پیش کیا کہ قرآن پاک کی آیتوں کا باہمی ربط بیان کیا جائے اور ہر آیت کا دوسری آیت سے کیا ربط ہے اسے مدلل بیان کر دیا جائے، یہ تفسیر علم کا خزانہ ہے، علامہ فراہیؒ اور مولانا اصلاحیؒ کے یہاں بعض تفردات بھی ہیں، اور سلف سے انھوں نے بعض مقامات پر اختلاف بھی کیا ہے اس کے باوجود اس تفسیر کی علمی حیثیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، (دیکھئے البرہان فی نظام القرآن، از مولانا عنایت اللہ سبحانی)

مولانا وحید الدین خاں صاحب نے تذکیر القرآن اور مولانا شمس پیرزادہؒ نے دعوۃ القرآن لکھی ہے اپنی اپنی جگہ پر یہ کوششیں لائق تحسین ہیں، لیکن ابھی اس شعبے میں بہت کام باقی ہے، ابھی کوئی ایسی تفسیر نہیں لکھی گئی جو ہندوستان کے باشندوں کی نفسیات اور ان کے عقائد کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہو، مولانا محمد فاروق خاں صاحب جنھوں نے قرآن پاک اور احادیث شریف کا ہندی ترجمہ کیا ہے اور جو ہندو دھرم کا اچھا خاصہ مطالعہ رکھتے ہیں ان سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اس خلا کو پر کریں گے۔

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا اس کے بعد

☆☆☆

☆☆☆

مقالات

قیامت کی نشانیاں

(پہلی قسط)

قیامت کی نشانیوں کی دو قسمیں ہیں

۱۔ قیامت کی چھوٹی نشانیاں ۲۔ قیامت کی بڑی نشانیاں

قیامت کی چھوٹی نشانیوں سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو قیامت کے وقوع سے کافی پہلے واقع ہوں گی اور جن کا واقع ہونا غیر معتاد نہ ہوگا۔ جیسے جہل کا ظہور، علم شرعی کا اٹھا لیا جانا، شراب کی کثرت وغیرہ۔

قیامت کی بڑی نشانیوں سے مراد وہ بڑے حادثات ہیں جو قرب قیامت ظاہر ہوں گے اور جن کا ظہور نوامیس فطرت کے خلاف ہوگا جیسے دجال کا ظہور اور یاجوج و ماجوج کا خروج اور سورج کا مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع وغیرہ۔ (التذکرہ: قرطبی ۶۳۳۔ فتح الباری ۱۳/۸۵)

قیامت کی چھوٹی نشانیاں بہت زیادہ ہیں ان کا آغاز عہد صحابہ ہی سے شروع ہو گیا تھا اور پھر برابر ان کا ظہور بڑھتا جا رہا ہے، قیامت کی نشانی ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ چیز حرام یا مکروہ ہے، بلکہ ان میں بعض چیزیں حرام اور بعض جائز ہیں، جیسے بلند و بالا عمارتوں کی تعمیر، مال کی کثرت وغیرہ۔ (شرح النووی ۱/۱۵۹)

سطور ذیل میں ان چھوٹی نشانیوں کا ایک مختصر تعارف ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔

۱۔ **بعثت نبوی** متعدد حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ آپ کی بعثت قرب قیامت کی دلیل ہے سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے "میری بعثت اور قیامت کے وقوع کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کے درمیان ہے۔ (صحیح بخاری ۱۱/۳۴۷)

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "میری بعثت اور قیامت کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کے درمیان ہے اور پھر آپ ﷺ نے دونوں انگلیوں کو سمیٹ لیا" (صحیح مسلم، کتاب الفتن ۱۸/۸۹۔۹۰)

مذکورہ بالا احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قیامت کی سب سے پہلی نشانی بعثت نبوی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نبی خاتم ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں بلکہ قیامت آئے گی جس طرح شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کے درمیان کوئی تیسری انگلی نہیں ہے۔

(۲) آپ ﷺ کی وفات

عوف بن مالک کی حدیث میں ہے "قیامت سے پہلے چھ امور کو گنو، جن میں سے ایک میری موت بھی ہے"۔ (صحیح بخاری، کتاب الجزیہ ۶/ ۲۷۷)

چنانچہ آپ ﷺ کی وفات مسلمانوں پر آنے والی مصیبتوں میں سب سے بڑی مصیبت تھی، آپ کی وفات سے صحابہ کرام کے سامنے پوری دنیا تاریک ہوگئی، انس بن مالکؓ کہتے ہیں جس روز آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہر چیز روشن و منور ہوگئی اور جب آپ کی وفات ہوئی تو ہر چیز تاریک ہوگئی اور ابھی ہم نے آپ کی تدفین کے بعد ہاتھوں میں لگنے والی مٹی بھی نہ جھاڑی تھی کہ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے تئیں وحشت اور اجنبیت محسوس ہونے لگی۔ (جامع الترمذی ۱۰/ ۸۷)

(۳) بیت المقدس کی فتح

قیامت کی نشانیوں میں سے بیت المقدس کی فتح بھی ہے، عوف بن مالکؓ کی حدیث میں ہے "قیامت کے وقوع سے پہلے چھ امور کو گنو" اور پھر آپ ﷺ نے ان میں سے ایک بیت المقدس کی فتح کا ذکر کیا۔ (صحیح بخاری)

چنانچہ بیت المقدس عہد فاروقی میں، ۱۶ھ میں فتح ہوا، عمر فاروقؓ بنفس نفیس اس شہر کی صلح میں شریک رہے اور اس شہر کو آپ نے یہود و نصاریٰ کے عمل و دخل سے پاک کیا اور بیت المقدس کے قبلہ میں آپ نے ایک مسجد بنائی جو مسجد عمر کے نام سے موسوم ہے۔

مسند الامام احمد میں ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کعب الاحبار سے پوچھا، تمہارا کیا خیال ہے میں کہاں نماز ادا کروں، تو انھوں نے جواب دیا اگر آپ میری رائے پر عمل کریں تو صخرہ کے پیچھے نماز پڑھئے تو پورا قدس آپ کے سامنے ہوگا، اس پر عمر فاروق نے فرمایا: تم نے یہودیت کے مطابق رائے دی ہے، نہیں میں اس جگہ نماز ادا کروں گا جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے نماز پڑھی ہے، چنانچہ وہ قبلہ کی طرف آگے بڑھے اور نماز ادا کی، اور پھر اپنا چادر پھیلایا اور گندگی و غلاظت کو اپنی چادر میں اٹھایا اور آپ کو دیکھ کر دوسرے لوگوں نے بھی کوڑا کرکٹ کی صفائی کی۔ (۱/ ۲۰۱۸ حدیث رقم ۲۶۱)

طاعون عمواس

عوف بن مالک کی حدیث میں ہے کہ قیامت سے پہلے ایک ایسا حادثہ

واقع ہوگا جس میں کثرت سے ہلاکتیں ہوں گی" ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ نشانی عہد عمرؓ میں بیت المقدس کی فتح کے بعد ظاہر ہوئی تھی۔ چنانچہ فلسطین کے شہر رملہ سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع شہر عمواس سے طاعون کا آغاز ہوا جس کی لپیٹ میں پھر پورا شام آیا تقریباً ۲۵ ہزار مسلمان اس وبا میں مر گئے، ان مرنے والوں میں ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ (البدایہ والنہایہ ۷/ ۹۴ معجم البلدان ۴/ ۱۵۷)

۵۔ مال کی فراوانی اور صدقات سے بے نیازی

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "لوگوں پر ایک دور ایسا آئے گا کہ آدمی سونے کی زکوٰۃ لے کر کسی مستحق کو تلاش کرے گا تو کسی زکوٰۃ لینے والے کو نہ پائے گا"۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ ۷/ ۹۶)

اور آپ ﷺ نے یہ بشارت بھی دی ہے "اللہ تعالیٰ اس امت کو خوب نوازے گا اور زمین کے خزانے اس کے لئے کھول دیئے جائیں گے اور اس امت کا اقتدار مشرق و مغرب تک محیط ہوگا، ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "پوری روئے زمین سمیٹ کر مجھے خواب میں دکھائی گئی میں نے اس کے مشرق و مغرب کو دیکھا اور یقیناً میری امت کا اقتدار ان جگہوں تک پہونچے گا جو جگہیں مجھے خواب میں دکھائی گئی ہیں اور مجھے سرخ و سفید دونوں خزانے دے دیئے گئے۔"

(صحیح مسلم کتاب الفتن ۱۸/ ۱۳)

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آکر آپ ﷺ سے فقر و تنگدستی کی شکایت کی پھر دوسرے نے آکر ڈاکہ زنی کی شکایت کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عدی، کیا تو نے حیرہ دیکھا ہے میں نے کہا نہیں لیکن اس شہر سے واقف ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم اگر تمہاری زندگی رہی تو تم دیکھو گے کہ حیرہ سے نکل کر ایک عورت خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اس سفر کے دوران اسے خدا کے علاوہ کسی کا خوف نہ ہوگا، تو میں نے اپنے دل میں سوچا کہ بنی طی کے ڈاکو کہاں چلے جائیں گے؟؟ اور اگر تمہاری عمر دراز رہی تو خدا کی قسم کسریٰ کے خزانے تم لوگ ضرور فتح کرو گے، میں نے پوچھا کسریٰ بن ہرمز کے؟؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ہاں کسریٰ بن ہرمز کے اور خدا کی قسم اگر تمہاری زندگی نے ساتھ دیا تو تم دیکھو گے کہ ایک آدمی مٹھی بھر کر سونے اور چاندی لے کر زکوٰۃ کے مستحق کو تلاش کرے گا تو نہ پائے گا، عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حیرہ سے آکر خانہ کعبہ کا طواف کرنے والی عورت کو دیکھ لیا جسے اس

سفر میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا خوف نہ تھا، اور میں خود ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے کسریٰ کے خزانے فتح کیے اور اگر تم لوگوں کی زندگی رہی تو تم لوگ ابوالقاسم ﷺ کی آخری بشارت کو بھی دیکھ لوگے۔ (صحیح البخاری، کتاب الفتن ۶/۶۱۰)

آخری بشارت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں پوری ہوگئی چنانچہ آدمی اپنا مال زکوۃ کے لیے نکالتا اور کسی مستحق کو نہ پاتا، اور عیسیٰ علیہ السلام اور مہدی علیہ السلام کے زمانے میں بھی یہ صورت حال پیش آئے گی۔

۶۔ فتنوں اور آزمائشوں کا ظہور متعدد صحیح حدیثوں میں آپ ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے عظیم فتنوں اور آزمائشوں کا واقع ہونا ہے جن میں حق و باطل کے درمیان تمیز اٹھ جائے گی اور صبح و شام لوگوں کے ایمان جاتے رہیں گے اور جب کوئی فتنہ پیدا ہوگا تو لوگ کہیں گے کہ یہ سب سے اہم فتنہ ہے اور یہ فتنے تا قیامت واقع ہوتے رہیں گے۔

مسند الامام احمد میں ہے: ”قیامت سے پہلے کچھ اتنے شدید فتنے واقع ہوں گے جو تاریک رات کے ٹکڑوں کے مانند، مہیب اور خوفناک ہوں گے، ان فتنوں کے دوران آدمی صبح کو مومن ہوگا تو شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر ہو کر اٹھے گا، ان فتنوں سے کنارہ کش رہنے والا ان فتنوں میں مبتلا شخص سے بہتر ہوگا، اور چلنے والا دوڑنے والے سے افضل ہوگا، تو اپنی تیر و کمان توڑ دو، اور تلواروں کو پتھروں پر دے مارو، اور اگر فتنہ تم تک پہونچ جائے تو آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں ہابیل اور قابیل میں سے بہتر کے اسوہ کو اختیار کرلو“ (احمد ۴/۴۰۸، اس حدیث کو البانیؒ نے صحیح قرار دیا ہے، صحیح الجامع الصغیر ۲/۱۹۳ ح ۲۰۳۵)

فتنوں سے متعلق احادیث بہت زیادہ ہیں، آپ ﷺ نے امت کو ان فتنوں سے آگاہ رہنے اور ان کے شر سے پناہ چاہنے کا حکم دیا ہے، صرف ایمان اور اہل سنت والجماعت کے مسلک پر کاربند رہنا ہی ان فتنوں سے بچا سکتا ہے، سطور ذیل میں ان فتنوں کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

۱۔ مشرق سے نمودار ہونے والے فتنے عالم اسلام میں زیادہ تر واقع ہونے والے فتنے مشرق سے رونما ہوئے ہیں، آپ ﷺ نے مشرق سے رونما ہونے والے فتنوں سے یوں آگاہ کیا ہے: ”سنو فتنہ یہاں سے نمودار ہوگا، سنو فتنہ یہاں سے نمودار ہوگا جہاں شیطان کی سینگ طلوع

ہوتی ہے“ (صحیح بخاری کتاب الفتن ۱۳/۵)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک بار یوں دعا فرمائی ”اے خدا ہمارے پیمانوں (صاع اور مد) میں برکت دے، ہمارے علاقے (شام و یمن) کو بابرکت بنا، ایک شخص نے کہا اے رسول خدا ”اور ہمارے عراق میں بھی“ تو آپ ﷺ نے فرمایا: عراق میں شیطان کے پیروکار زیادہ مضبوط ہیں، وہیں فتنے زیادہ بھڑکیں گے اور سنگدلی مشرق میں ہی ہے“ (صحیح مسلم کتاب الفتن ۱۸/۳۱)

ابن حجرؒ کہتے ہیں: سب سے پہلا فتنہ (عہد عثمان کی شورش) عراق میں پیدا ہوئیں اور عموماً دیگر بدعتیں بھی وہیں سے نمودار ہوئیں“ (فتح الباری ۱۳/۴۷)

چنانچہ عراق ہی سے خوارج، شیعہ، روافض، باطنیہ، قدریہ، جہمیہ اور معتزلہ کا خروج ہوا، اور زیادہ تر کفریہ باتیں مشرق میں واقع اقوام، مجوس، زرتشت، مانویہ، مزدکیہ، ہندومت اور بدھ مت کے ذریعہ ہی ظہور پذیر ہوئیں، اور پھر قادیانیت اور بہائیت یہ دونوں باطل مذاہب بھی مشرق ہی میں نمودار ہوئے۔

ساتویں صدی ہجری میں عالم اسلام پر یورش کرنے والے تاتاری مشرق ہی کے تھے، آج تک فتنوں، بدعتوں اور گمراہیوں کا منبع مشرق ہی ہے چنانچہ اشتراکیت کا مرکز روس و چین مشرق ہی میں ہیں، اور آخری زمانے میں دجال کا خروج اور یاجوج و ماجوج ظہور مشرق ہی سے ہوگا۔

☆☆☆

☆☆☆

بحث و نظر

ادب، ادبِ اسلامی اور موجودہ شعری منظر نامہ

ڈاکٹر تابش مہدی

ادب کی تعبیر و تشریح میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مختصر اور جامع لفظوں میں ادب کی تعریف یہ ہے کہ ادب حسنِ کلام اور تاثیرِ کلام کا نام ہے، عام انسانی کلام میں جو چیز وجہِ امتیاز ہوتی ہے، وہ اس کا حسن یا تاثیر ہے، جب کوئی بات اس حسن اور خوب صورتی کے ساتھ کہی جائے کہ قاری یا سامع کے دل میں گھر کرلے یا وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے تو اسے ادب ہی کہا جائے گا، خواہ وہ بات نثر میں کہی گئی ہو خواہ نظم میں اور خواہ تقریر و خطابت کے اسلوب میں۔

شعر و ادب سے متعلق ہمیں مختلف اور متنوع خیالات و نظریات ملتے ہیں۔ کوئی شعر و ادب پر سچائی کو قربان کر دینے کا نظریہ رکھتا ہے تو کوئی اسے علم و فکر کی ضد قرار دیتا ہے۔ اس کی رائے میں ترقی یافتہ دور میں شعر و ادب کے مشغلے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ایک طبقہ شعر و ادب کو علم و فکر کی لطیف ترین روح کا انعکاس تصور کرتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ یہ تک کہتا ہے کہ شعر و ادب بذاتِ خود علم ہیں۔ اس لئے کہ اس کی رائے میں نفسِ انسانی کی صحیح ترین تشریح شعر و ادب ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ ایک خیال کے مطابق شاعری یا ادب انسان کے اندرون کا ترجمان ہے۔ دوسرے گروہ کی رائے اس کے برعکس ہے۔ اس کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ادب انسان کے اندرون کا نمائندہ یا ترجمان ہونے کے باوجود انسان کی زبان کا محتاج ہے۔ سائنس دانوں کا ایک بڑا طبقہ شعر و ادب کو فرد یا معاشرے کے درد کا چارہ ساز تصور کرتا ہے۔ جب کہ دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سماج کے کھلے اور چھپے مسائل کی واضح اور موثر ترجمانی صرف شعر و ادب کے ذریعے ممکن ہے۔ کچھ اربابِ دانش شعر و ادب کے ساتھ تہذیب و ثقافت کا پیوند لگا کر کہتے ہیں کہ ادب ہو یا شاعری، یہ دونوں تہذیب اور تمدن کے ساتھ سفر کرتے ہیں اور ان کے ارتقا میں تدریجی اسباب بھی شامل ہوتے ہیں۔

ان تمام رایوں اور نقطۂ نظر کی اہمیت اور واقعیت کو تسلیم کرتے ہوئے ہمیں یہ بھی ماننا

چاہئے کہ ادب دراصل فنونِ لطیفہ میں سے ایک فن ہے۔ ان فنون کی پیش کش میں انسان کے دل کی کیفیات و واردات کو سب سے زیادہ دخل ہے۔ انسان محض سوچنے اور سمجھنے والی ایک مشین نہیں ہے، بلکہ احساسات و تاثرات جیسی لطیف کیفیات کی رنگینیاں بھی اس میں موجود ہیں، جو اس کے اعمال پر بہت گہرا اثر ڈالتی ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو انسان کی زندگی پھیکی اور بے کیف ہو کر رہ جائے، یہی اس کی قوتوں کو تر و تازگی بخشتی ہیں اور ان ہی سے اس میں زندگی کی ایک نئی حرکت محسوس ہوتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ شعر و ادب کو عصری حقائق اور عقلی سچائیوں سے بعد نہیں ہے اور نہ اسے علمی یا سائنسی تجربوں ہی سے نفرت ہے بلکہ کسی نہ کسی درجے میں ان سب سے اس کا تعلق ہے، لیکن اس فطری و اتفاقی تعلق کی بنیاد پر اسے عصری حقیقتوں اور سائنسی سچائیوں کا داعی یا نمائندہ قرار دے دینا سخت غلطی ہوگی، اس لیے کہ عصری حقائق سے آگہی اور عقلی یا سائنسی سچائیوں سے باخبری اس کا موضوع نہیں ہیں۔ اگر یہ چیزیں اس کا موضوع ہوتیں تو ادب یا شعر کی ضرورت ہی کیا تھی، ان کا حصول تو اور بھی دوسرے ذرائع سے انجام دیا جا سکتا تھا۔

دراصل شعر و ادب کا موضوع جذبے کی صداقتوں کا اظہار ہے، جذبوں کی یہ صداقتیں، عقلی اور سائنسی صداقتوں کے بھی عین مطابق ہوں، یہ ضروری نہیں اگر کہیں کوئی مطابقت مل بھی جائے تو وہ محض اتفاقی ہوگی، جذبے کی اپنی ایک خاص مملکت ہوتی ہے، وہ اپنی اس مملکت کا تاجدار ہے، اسے اس بات پر اصرار ہے کہ اس کی صداقتوں اور حقیقتوں پر ایمان لایا جائے اور اس کے دعووں کا احترام کیا جائے، یہی وہ مقام ہے، جہاں سے بغاوتوں کی بنا پڑتی ہے اور اصل یہ سلسلہ افراط و تفریط کی وجہ سے چلتا ہے، جب اجتماع یا سماج اپنے گروہی احساسات و جذبات کو اس درجہ اہمیت دیتا ہے کہ فرد کے جذبات و احساسات یکسر نظر انداز ہو جاتے ہیں تو فرد بھی سماج یا اجتماع کو خاطر میں نہیں لاتا اور وہ بھی اپنی انا کے خول سے باہر نہیں نکلتا، ایسی صورت میں تصادم کی فضا بن جاتی ہے اور ایک دوسرے کے خلاف شدید نفرت و بغاوت کا ماحول بن جاتا ہے۔

زندگی کے اس اتھاہ سمندر میں کبھی ہم کیف و کم کے لمحات سے گزرتے ہیں تو کبھی ہمارا سابقہ کرب و اضطراب کی گھڑیوں سے پڑتا ہے، دنیا کی زندگی کا چمن جہاں تبسم اور مسکراہٹ اور خوشی و مسرت کے پھولوں سے مزین ہے، وہیں حزن و غم اور درد و کلفت کے نوکیلے کانٹے بھی اپنے دامن میں

سمیٹے ہوئے ہے، جس کی وجہ سے انسان پر آنے والے لمحے اور ساعت میں مختلف و متضاد احساسات وحالات سے دوچار ہوتا ہے، جن بدلتے ہوئے احساسات و واردات سے ہم آپ اور دنیا کے تمام انسان گزرتے یا دوچار ہوتے ہیں، دراصل وہی ایک شاعر یا ادیب کا سرمایہ فن ہوتے ہیں، ادیب یا شاعر ان احساسات و واردات اور کیفیات و تاثرات کو زندگی کے فہم و شعور کا ذریعہ بناتا ہے، وہ بے شمار ذہنی تجربوں سے گزرتے ہوئے بڑی سبک روی کے ساتھ زندگی اور اس کے حقائق کا تصور اخذ کرتا ہے اور سماج یا اجتماع کے جن ہنگاموں اور شورشوں سے ہم اور آپ کترا کر راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں، وہ ان ہنگاموں اور شورشوں سے زندگی کی کوئی نہ کوئی غرض و غایت متعین کرتا ہے۔ ایک فن کار جب زندگی کے کسی تصور اور انسانی سماج کی کسی غایت سے اپنے ذہن و فکر کو آراستہ کر لیتا ہے تو وہ اپنے مشاہدوں اور تجربوں کے سارے ماحصل کو اسی تصور اور غایت کے تحت مرتب کرتا ہے اور اسی تصور و غایت کی رو سے وہ زندگی کے حوادث اور اس کی تحریکوں کی تخریبی اور تعمیری قدریں متعین کرتا ہے۔

جب شعر و ادب کی بات آتی ہے تو ضمناً تین بڑے وسیع المفہوم عنوان خود بہ خود وجود پذیر ہو جاتے ہیں، پہلا یہ کہ مضمون یا مفہوم کی نوعیت کیا ہوتی ہے اور کون کون سے محرکات اسے وجود بخشتے ہیں، دوسرا یہ کہ ادب یا فن پاروں کی ہیئت کیا ہونی چاہیے اور کن اجزائے ترکیبی سے اس ادب یا فن پارے کو وجود بخشا گیا ہے یا بخشا جائے اور تیسرا عنوان جو سامنے آتا ہے وہ یہ کہ جن افکار و خیالات کو شعر و فن کا جامہ پہناتا ہے، ان کے لیے کون سی صنف یا کون سا روپ مناسب رہے گا، جس تخلیق یا فن پارے میں یہ چیزیں حسن کمال و مہارت کے ساتھ برتی جائیں گی، اتنا ہی کامل اور لائق اعتبار وہ فن پارہ ہوگا، اس ذیل میں یہ بات بھی دیکھنی ہوگی کہ اس تخلیق یا فن کو پیش کرنے والا تخلیق کار یا فن کار، کس حد تک تنگ دائروں میں محدود رہا ہے یا کس حد تک حریت فکر سے کام لے کر اس نے ان دائروں اور حصاروں سے باہر قدم نکالنے کی جرأت کی ہے؟ غم جہاں جسے اجتماع کا غم کہا جاتا ہے، اس سے وابستہ رہنے کے باوجود اس نے فرد کے غم سے کتنی دلچسپی لی ہے؟ انسان کی حیوانی جبلتوں سے کتنی جنگ کی اور تہذیبی و ثقافتی معاونتوں اور انسانی مخاصمتوں میں کتنا حصہ لیا ہے؟ شریفانہ جذبات کو زندہ رکھنے اور انھیں پروان چڑھانے کے لیے مسلمہ اخلاقی اصولوں کی کس درجہ پاس داری کی؟ اور کہاں تک اس کی سرگرمیاں انتشار کا شکار رہیں یا اس نے کن کن معاملات و اقدار میں صلح و مفاہمت کی بات کی؟ الغرض مجموعی طور پر یہ بہر حال دیکھنا ہوگا

کہ اس شاعر، ادیب یا فن کار نے انسانوں کو ان کی اعلیٰ و ارفع منزلوں تک لے جانے اور ان کے مستقبل میں امیدوں کی حیات بخش کرن پیدا کرنے میں کیا سعی و جہد کی؟

انسان کی فطرت میں یہ بات سموئی ہوئی ہے کہ وہ حسن، خوبی، خوب صورتی اور دل کشی کا دلدادہ ہوتا ہے، اچھے چہرے اور خوش نما مناظر کی طرف اس کا دل کھنچتا ہے، اچھی اور میٹھی آواز سے اس کے کانوں میں رس پڑتا ہے اور جن باتوں میں حسن تناسب ہو، فصاحت، روانی، سادگی اور شگفتگی ہو، اس کا ذہن اسے قبول کر لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام آسمانی اور الہامی کتابیں زبان و بیان کے اعتبار سے اتنی بلند ہیں کہ اس سے زیادہ بلندی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، خصوصاً قرآن عزیز کہ جس کے نزول کے بعد وحی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

اردو شعر و ادب میں ہمیشہ سے سماجی روح بھی موجود رہی ہے اور اجتماعی بھی۔ پرانے ادب میں بھی اور اس ادب میں بھی، جسے ہم داستانی ادب کے نام سے جانتے ہیں، لیکن جہاں اور جس دور کے بھی ادب میں یہ روح آئی، اس کا راستہ مذہب ہی رہا ہے، یہاں مذہب سے میری مراد وہ مذہب بھی ہے، جو خالص کتاب و سنت والا مذہب ہے اور وہ مذہب بھی، جو تصوف اور ان بہت ساری رسوم سے آلودہ رہا ہے، جو جانا تو جاتا ہے مذہب کے نام سے، لیکن حقیقی معنوں میں مذہب سے ان کا کوئی تعلق نہیں، مگر وہ سب چلتا رہا اور ہے مذہب ہی کے نام پر، اس سلسلے میں میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ جو کچھ مذہب کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہو، اس کی اصلاح کر کے قرآن و سنت والے مذہب کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش ہونی چاہیے اور جو لوگ اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اس غیر کتاب و سنت والے مذہب سے وابستہ ہیں، انھیں خارج از مذہب نہ قرار دیا جائے، کم از کم ہندوستان کی حد تک تو یہی ہونا چاہیے۔ حفیظ میرٹھی کے اس شعر سے میرے نقطۂ نظر کی تصویب ہوتی ہے:

عجب اسلام تھا، لیکن یہ مری خوش بختی
مجھ کو مارا ہے مسلمان سمجھ کر آج

سماج یا اجتماع کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ سماج یا اجتماع کے تصور کو محدود نہ کیا جائے بلکہ اسے وسعت دینی چاہیے، اقبال نے بھی محدود سیاسی سماجیت یا اجتماعیت کے خلاف بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے اور مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی، لیکن دونوں کی سوچ اور نقطۂ نظر میں فرق

ہے۔ اقبال کے یہاں ملت کا تصور محض کسی سیاسی فرقے کا تصور نہ تھا، بلکہ ان کے یہاں سیاسی سے زیادہ ترجیح تھی۔ جب کہ ابوالکلام آزاد کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اقبال اپنے علم سے مکمل کر آفاق کو اپنے اندر گم کرنا چاہتے ہیں اور آزاد آفاق کو سمیٹنے کی بات تو کرتے ہیں، لیکن ان کا سطح نظر یا پناہ گاہ حصار وطن ہے۔ اقبال کا شعور اجتماع محض روحانی، انسانیاتی یا فلسفیانہ نہیں ہے، اس میں مادی مصالح کی آمیزش بھی ہے اور مختلف عناصر کا امتزاج بھی۔ یہ ذہنی ہونے کے باوجود داخلی احساسات اور جمالی عوامل کا احترام کرتا ہے اور سیاسی نقطہ نظر کے باوجود اخلاقی قدروں کا پاس دار ہے اور یہ اخلاقی قدریں وہ ہیں جن کی پرورش میں انسان کے روحانی تقاضوں نے حصہ لیا ہے۔ اقبال کے تصورات میں سماج یا اجتماع کی بڑی اہمیت ہے۔ مگر ان کے یہاں فرد، سماج یا اجتماع سے عظیم تر حقیقت ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اقبال کے یہاں جہاں ملت کا ذکر آتا ہے، وہیں فرد کی انفرادیت بھی زیر بحث آتی ہے۔ اقبال کی سماجیت ان تمام سماجیتوں سے مختلف ہے، جو ابن خلدون، غزالی اور بعض دوسرے مفکرین کے یہاں ملتی ہیں۔ اقبال کا سماجی تصور سرسید اور ترقی پسندوں کے اجتماعی نقطہ نظر سے بھی میل نہیں کھاتا۔ اس لیے کہ اقبال کی سماجیت محض فلسفہ نہیں ہے، بلکہ اسلام کی عطا کردہ سماجی روح کی جدید ترین تفسیر ہے اور یہی سماجی تصور تمام تصورات کے مقابلے میں زیادہ قرین فہم اور قابل عمل ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ ادب اور مذہب کو سوسائٹی کا استاذ اور مصلح قرار دیتے ہیں، اس لیے کہ ان میں سوسائٹی کو متاثر کرنے اور اسے نیکی یا بدی کی راہ پر چلانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اس صورت میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اچھا اور معیاری ادب وہی ہے جس میں سوسائٹی کو متاثر کرنے اور اسے نیکی یا بدی کی راہ پر چلانے کی صلاحیت ہو۔ جس ادب میں یہ صلاحیت جتنی زوردار ہوگی، اتنا ہی زوردار وہ ادب ہوگا۔ کون ادب کس حد تک صالح اور تعمیری ہے اور کس حد تک غیر صالح، غیر تعمیری اور مخرب اخلاق؟ یہ موضوع اس کے بعد کا ہے، اس لیے کہ جو ادب انسانوں کو اخلاق و کردار کی بلندیوں تک لے جانے کا سبب بنے وہ بھی ادب ہے اور جو قاری کو بداخلاقی اور اسفلی جذبات کی طرف مائل کرے وہ بھی۔

ادب کی عظمت و رفعت کا پتا لگانے کے لیے یہ جاننا بہر حال ضروری ہے کہ کس ادیب یا شاعر نے انسانیت کے شرف کا اثبات کیا ہے اور اس کی خامیوں اور کمزوریوں کو جان لینے کے بعد اسے صحیح رخ دے کر اس کے اندر عزم و ثبات کا شعور بیدار کیا ہے۔ بقول شخصے: زندگی کے معنی محض جینے

کے نہیں ہیں، اگر زندگی کے معنی صرف جینے کے لیے جائیں تو یہ انسان کا کوئی خاص شرف نہیں ہے، اس لیے کہ جینے کو تو گوبر کا کیڑا بھی جیتا ہے بلکہ اصل جینا یہ ہے کہ جینے والا زندگی کو اشرف و اعلیٰ قدروں سے روشناس کرائے۔ موجودہ عہد کے ادب اور شاعری میں زندگی کے اس پہلو کو کس حد تک برتا گیا ہے یا اس جینے کو کن کن ادیبوں اور شاعروں نے اپنے ادب اور شاعری میں جگہ دی ہے؟ آج کی اس صحبت میں میں اپنی گفتگو کو اسی حد تک محدود رکھوں گا۔

چوں کہ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کی جو سب سے بڑی اجتماعی مذہبی تحریک تحریک خلافت وجود میں آئی، اس کی زبان اردو ہی رہی ہے اور اس تحریک نے بلاواسطہ نہیں تو بالواسطہ طور پر بہر حال ادب کو متاثر کیا ہے۔ شبلی اتحاد اسلامی کے پہلے بڑے رہ نما اور مفکر کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں، انھوں نے سرسید کے علم کلام اور فلسفۂ سیاست کی موثر مخالفت کی۔ مغربی تعلیم اور مغربی طرز زندگی کے خلاف جو جہاد شبلی نے شروع کیا تھا، اسی کی تکمیل ابوالکلام آزاد اور سید سلیمان ندوی نے کی، آزاد نے یہ کام "الہلال" کے ذریعے انجام دیا اور سید سلیمان ندوی نے "معارف" کے ذریعے۔ اس ذیل میں مولانا اشرف علی تھانوی (۱۸۶۳ء-۱۹۴۳ء) مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳ء-۱۹۷۹ء) کا بھی ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ مولانا تھانوی رجوع الی الماضی کی دعوت دیتے ہیں، مولانا امرتسری توحید خالص کے داعی ہیں اور مولانا مودودی قرآن مجید کی کامل تعبیر اور اقامت دین کے داعی ہیں۔

اردو ادب میں اخلاقیات کا باب بہت وسیع ہے، خصوصاً شعری ادب میں یہ چیز بہت توانا شکل میں ملتی ہے۔ انسانی زندگی میں اخلاقیات کو ہمیشہ اور ہر عہد میں اہمیت حاصل رہی ہے، اگرچہ دنیا کے تقریباً تمام ہی مذاہب میں اخلاقیات اور حسن معاملہ پر زور ملتا ہے، تاہم اردو شعر و ادب کی حد تک یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہاں جو کچھ بھی اخلاقیات یا حسن معاملت کا سرمایہ ہے، یہ محض اسلامی افکار و اقدار کا فیضان ہے، اس لیے کہ توحید، رسالت اور آخرت کا جامع اور مکمل تصور صرف اسلام پیش کرتا ہے اور یہ بات اپنی جگہ تسلیم شدہ ہے کہ کسی بھی سماج یا معاشرے میں اس تصور سے بے نیاز ہو کر اقدار اخلاقیات کے قیام کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ یہ وہ انسانی ورثہ ہے، جو ہمیں اپنے خدا شناس اسلاف سے نسلاً بعد نسل ملتا آیا ہے۔ جب ہم اردو شاعری کے باوا آدم ولی دکنی کے یہ شعر

پڑھتے ہیں تو اسی انسانی ورثے تک ہماری رسائی ہوتی ہے:

مرا دل پاک ہے از بس ولی زنگ کدورت سے
ہوا جوں جوہر آئینہ مخفی پیچ و تاب اس کا
ولی کو نہیں مال کی آرزو
خدا ہیں نہیں دیکھتے زر طرف

یا خدائے سخن حضرت میر تقی میر کے یہ اشعار:

سبز ہوتی ہی نہیں یہ سرزمیں
تخم خواہش دل میں تو بوتا ہے کیا
غیرت یوسف ہے یہ وقت عزیز
میر اس کو رایگاں کھوتا ہے کیا

انشا کا یہ کہنا کہ:

جس شخص نے کہ اپنے نخوت کے بل کو توڑا
راہ خدا میں اس نے گویا جبل کو توڑا

آتش نے کہا ہے:

شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ
قناعت بھی بہار بے خزاں ہے

ناسخ کا کتنا مشہور شعر ہے:

انسان کو انسان سے کینہ نہیں اچھا
جس سینے میں کینہ ہے وہ سینہ نہیں اچھا

ذوق نے کتنی اچھی بات کہی ہے:

جس انساں کو سگ دنیا نہ پایا
فرشتہ اس کے ہم پلا نہ پایا

مومن کا یہ شعر ان کے اندرون کا ترجمان بھی ہے اور ان کی موسوسات بصیرت کا نمائندہ بھی:

مومن از بس ہیں بے شمار گناہ
غم روز حساب نے مارا

منقولہ بالا تمام اشعار وہ ہیں، جن کے ذریعے ہماری رسائی اس انسانی ورثے تک ہوتی ہے جس کی طرف گزشتہ سطور میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ یہ بات بے خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اشعار کو تخلیق کرنے والے شعرا اخلاقی اقدار اور اسلامی افکار و خیالات سے کامل وابستگی رکھتے ہیں۔ لیکن یہ بات قاری کے لیے بڑی خوش گوار حیرت و استعجاب کا باعث ہوتی ہے کہ اردو شاعری میں اخلاقی و تمدنی اقدار کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، وہ جہاں مسلم شعرا کے ہاں ملتی ہیں، وہیں غیر مسلم شعرا کے ہاں بھی موجود ہیں اور ان سے اردو شاعری کا کوئی دور خالی نہیں رہا ہے۔ اگرچہ کمیت کے اعتبار سے ہندو یا غیر مسلم شعرا، مسلم شعرا کے مقابلے میں کم رہے ہیں، لیکن کیفیت کے اعتبار سے امتیاز کھینچنے میں بہ ہر حال دشواری پیش آئے گی۔ بلکہ کبھی کبھی تو یہ بات بھی دیکھنے میں آتی ہے کہ اسلام کے وہ بنیادی عقائد جو قرآن و حدیث میں بیان کیے گئے ہیں اور وہ واقعات و تلمیحات، جو اسلامی تاریخ کا اہم حصہ بن چکے ہیں، ان سب کو غیر مسلم شعرا نے مسلم شعرا کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی تواناشکل میں اپنے ہاں جگہ دی ہے۔ کتنے ہی غیر مسلم شعرا نے نعت و منقبت کی شاعری کو اپنے ذہنی مظاہرے کا ذریعہ بنایا ہے۔ بلکہ حمد و مناجات اور نعت و مناقب کی شاعری ان کی شناخت بن چکی ہے۔ لالہ نانک چند کھتری لکھنوی، چودھری دلو رام کوثری اور چندر پرکاش جوہر بجنوری وغیرہ اہم وہ غیر مسلم شعرا ہیں، جو صرف نعت و مناقب کے حوالے سے جانے جاتے ہیں۔

لالہ نانک چند کھتری لکھنوی کہتے ہیں:

کامل ہوا جو عشق رسالت مآب میں
مقبول ہو گیا وہ خدا کی جناب میں

دلو رام کوثری کا یہ شعر کس درجہ عجیب وابستگی لیے ہوئے ہے:

کوثری تنہا نہیں ہے، مصطفیٰ کے ساتھ ہے
جو نبی کے ساتھ ہے وہ کبریا کے ساتھ ہے

ہاں منظر عرش کا یہ شعر بھی سنتے چلیے:

حامل جلوۂ ازل، پیکر نور ذات تو
شان پیمبری سے ہے، سرور کائنات تو

رگھونندن کشور شوق کا فارسی کا یہ شعر ایک عجیب شیفتگی اپنے اندر رکھتا ہے:

منم اے شوق بے گانہ ز اسلام
مگر کفر است انکار محمد

ان اشعار کو پڑھ یا سن کر ایک قاری یقیناً اس سوچ میں پڑ جائے گا کہ ہم ان کے خالق کو کس خانے میں رکھیں، انھیں اسلام پسند کہیں یا کافر و مشرک۔ اس قسم کے شعر و ادب کو اسلامی ادب میں شامل کریں یا کوئی اور نام دیں؟ دراصل یہ سب نمونے ہیں سوسائٹی پر چھپے ہوئے ان اسلامی اثرات کے جنھوں نے پورے سماج اور معاشرے کو بھی متاثر کیا ہے اور اس میں سانس لینے والے مسلم و غیر مسلم شعرا کو بھی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اس دعوے کی تصویب ہوتی ہے کہ ادب اور مذہب سوسائٹی کے استاذ، مربی اور مصلح ہیں۔ اس لیے کہ ان کے اندر سماج یا سوسائٹی کو متاثر کرنے اور اسے نیکی یا بدی کی راہ پر چلانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

ادب میں تحزب یا جماعت بندی کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہیے، اس صورت میں اس کی افادیت محدود ہو جائے گی۔ جماعت تو صرف ایک ہوگی، جو اسلام کے نام سے منسوب ہوگی، باقی تمام چیزیں اسی اسلام کی طرف بلانے اور اس میں شامل ہونے کی دعوت دینے والی معاون و مددگار ذیلی قوتوں کی حیثیت سے ہوں گی۔ ان کے نام پر انجمن سازی یا جماعت بندی اصل مقصد کے حق میں مفید نہیں ہوگی۔

ادب میں اسلامی یا غیر اسلامی ادب کا واضح اور دو ٹوک تصور ادب کے پلیٹ فارم سے سب سے پہلے محمد حسن عسکری نے دیا، لیکن یہ تصور اس سے پہلے بھی موجود تھا۔ محمد حسن عسکری نے ادب کے پلیٹ فارم سے اسی موقف کو زیادہ شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا، جو سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اپنے مذہبی مقالات اور خطبات میں تحریک اقامت دین کے حوالے سے پیش کرتے رہے ہیں۔

ادب میں اسلامی یا غیر اسلامی ادب کی بحث کو بعض ناقدین نے غلط مبحث قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی ادب میں اسلامی دینی اور تہذیبی عناصر کا تو غلبہ ہو سکتا ہے، مگر اس کی وجہ سے اس کو اسلامی ادب کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ ان کے نزدیک ادب کو کسی دین یا مذہب سے منسوب کرنے میں کئی

قباحتیں ہیں، اول یہ کہ اس سے خود اس دین کو نقصان پہنچتا ہے، جس کی طرف اسے منسوب کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ دین کی اسپرٹ سے متفق و ہم خیال ہونے کے باوجود، وہ ادب دین کے مخصوص نظام، زبان و مسائل اور اس کی خاص اصطلاحوں سے ہم آہنگ نہ ہو۔ ایسی صورت میں ہم مسلمانوں کے ذریعے تخلیق ہونے والے ادب کو تو مسلم ادب کہہ سکتے ہیں، لیکن اسے سرتاسر اسلامی نہیں کہہ سکتے۔ مسلمانوں کا ادب کہنے سے بہ الفاظ دیگر اس کے زیر اثر اسلامی تعلیمات کا اعتراف خود بخود ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی ادب کے سلسلے میں یہ نظریہ اس نظریے سے بہر حال مختلف ہے، جو اسلام کو خشک اور محض مساجد، مقابر اور خانقاہوں کا مذہب تصور کر کے یہ فیصلہ صادر کر دیتا ہے کہ اسلام میں ادب جیسی لطیف شے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اسلام سے منسوب جو ادب تخلیق کیا جائے گا، وہ ادب نہیں بلکہ مسجد کے لوٹوں، ملا کی اذانوں اور مقابر کے چڑھاووں جیسی کوئی چیز ہوگی۔ اس نقطۂ نظر سے اتفاق بھی کیا جا سکتا ہے اور اختلاف بھی، تاہم یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ مسلمانوں کے ذریعے پیش کیے جانے والے ادب کو "مسلم ادب" ہی کہا جائے گا، مسلمانوں کے ذریعے پیش کیے جانے والے ادب کا ایک حصہ گنہ گار ہے اور ایک مومن و مسلم، جو حصہ گنہ گار ہے، اسے بھی "مسلم ادب" کہا جائے گا اور جو مومن و مسلم ہے اسے بھی۔ اس میں یہ چیز تو بہر حال دیکھی جائے گی کہ ادب کے نام پر جو کچھ پیش کیا گیا ہے، اس میں کس حد تک دین کے اثرات پائے جا رہے ہیں، لیکن اسے دین و شریعت کے پیمانے پر ناپنے اور پرکھنے کی گنجائش نہیں۔ کسی شاعر یا ادیب کے فن پارے کو دین و شریعت کے پیمانوں پر پرکھنا، اس کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ جب کسی چیز کو دین یا اسلام کے پیمانوں پر ناپا اور پرکھا نہیں جا سکتا تو اسے دینی یا اسلامی کا نام دینا کس حد تک درست ہو سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ایسے ادیب و شاعر شعر و ادب کی تاریخ میں بہ کثرت ملتے ہیں، جو ہیں تو مسلمان لیکن اپنے افکار و خیالات کے اعتبار سے وہ مسلمان نہیں ہیں اور اس کے برعکس ایسے بھی شاعروں اور ادیبوں کی کمی نہیں، جو ہیں تو غیر مسلم لیکن انھوں نے اپنے شعر و ادب میں جو افکار و خیالات پیش کیے ہیں، وہ وہی ہیں، جن کی تعلیم اسلام میں موجود ہے اور ان کے شعر و ادب کا غالب حصہ صالح اور تعمیری قدروں کا امین ہے۔ میں جب اسلامی شاعری یا اسلامی ادب کے نام سے گروہ بندی، تحزب اور جماعت سازی پر تنقید کرتا ہوں تو اس سے میرا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس

قسم کی گروہ بندیوں اور جماعت سازیوں سے اسلامی افکار و اقدار کے فروغ میں اختلال پیدا ہوتا ہے، ادب یا شاعری میں اسلام یا اسلامی ادب کی بات اسی حد تک ہونی چاہیے کہ فنکار کے فن پارے میں اسلام کی عالم گیر و آفاقی قدریں کس حد تک پائی جا رہی ہیں؟ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شاعر یا فن کار کو ہم اسلامی شاعر یا فنکار کی حیثیت سے جانتے ہوں اور اسلامی ادب یا اسلامی شاعری سے منسوب کسی انجمن یا ادارے سے اس کی عملی وابستگی بھی ہو، لیکن اس کے ذخیرہ شعر و فن میں کچھ ایسی چیزیں بھی مل رہی ہوں، جو اسلامی تعلیمات و احکام سے یکسر متصادم ہوں اور بعض شاعر و فن کار ایسے بھی مل سکتے ہیں، جو عام طور پر اسلامی شاعر و فنکار کی حیثیت سے نہ جانے جاتے ہوں بلکہ ان میں کچھ ایسے بھی ہو سکتے ہیں اور ہیں، جو سرے سے اسلام سے وابستگی ہی نہیں رکھتے، لیکن اپنے ادب یا شاعری کے ذریعے وہ جو افکار و خیالات پیش کرتے ہیں، وہ اسلامی تعلیمات و احکام کے عین مطابق ہوتے ہیں، میں نے یہ بات ایک سے زائد مواقع پر کہی ہے اور پھر پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ اس کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ تمام شعرا جو ہمارے درمیان اسلامی شاعر کی حیثیت سے متعارف ہیں بلکہ اسلامی شعر و ادب سے منسوب انجمنوں اور اداروں کے وہ داعی و علم بردار ہیں اور وہ شعرا جو ایک آزاد خیال یا غیر اسلامی شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں بلکہ سرے سے اسلام ہی سے ان کی وابستگی نہیں ہے، ان سب کا کلام یکجا کر کے کسی غیر متعلق شخص کو دیا جائے کہ وہ ان میں سے دونوں حلقوں کے شاعروں کے کلام کو الگ کر کے بتائے کہ کون سا کلام اسلام پسند شاعر کا ہے اور کون سا کسی غیر اسلام پسند یا غیر مسلم کا، تو میرا دعویٰ ہے کہ اس کے لیے ممکن نہ ہوگا کہ وہ کسی نتیجے تک پہنچ سکے، زیادہ تفصیل کا موقع نہیں ہے، میں یہاں نمونے کے طور پر چند شعر پیش کر کے فیصلہ آپ جیسے صاحب بصیرت قارئین سے چاہوں گا:

شیخ صاحب تمہاری بھی اچھی کہی
خوب سجدے کیے خوب دھوکے دیے

برہمن کی ان کے جب تعریف کی کہنے لگے
ہم تمہیں اچھے لگے یا برہمن اچھا لگا

مے کشو! آؤ وا ہے درِ مے کدہ
شرط کچھ بھی نہیں ہے مے کشی کے لیے

آہوئے شوخ چشم کا ہونے لگے گماں
اتنا بھی گہرا آنکھ کا کاجل نہ کیجیے

میں تو اپنے کمرے میں تیرے دھیان میں گم تھا
گھر کے لوگ کہتے ہیں، سارے گھر میں خوشبو تھی

ضمیر کانپ تو جاتا ہے آپ کچھ بھی کہیں
وہ ہو گناہ سے پہلے کہ ہو گناہ کے بعد

مسافر آ بھی گئے، گرد رہ گزر کے بغیر
سفر تمام ہوا، مقصد سفر کے بغیر

ہم یوں تو تری یاد میں روتے بھی نہیں ہیں
راتوں کو مگر چین سے سوتے بھی نہیں ہیں

نظام خالق عالم میں غیر ممکن ہے
کہ ہم حساب تو لے لیں، مگر حساب نہ دیں

ایک امانت ہو، جس طرح لوگو
زندگانی کو یوں بسر کیجیے

دیکھنا چاہے اگر دنیا کا مستقبل تو سن
کانچ کا برتن کسی پتھر کے اوپر پھینک دے

یہ کل گیارہ اشعار ہیں اور ان کے تخلیق کار آٹھ مختلف شعرا ہیں، ان کی بنیاد پر انگلی رکھ کر آپ اس بات کی نشاندہی نہیں کر سکتے کہ کون کون سے اشعار کسی اسلام پسند یا اسلامی شاعر کے ہیں اور کون کون سے کسی غیر اسلام پسند یا غیر مسلم شاعر کے۔ پہلے دو شعر ایک ایسے شاعر کے ہیں، جس کا تعارف ایک بڑے اسلامی شاعر کی حیثیت سے ہوتا ہے، پہلے شعر میں کسی عام شاعر کے انداز میں "شیخ" کی پگڑی اچھالی گئی ہے، شعر و غزل میں جہاں بھی شیخ، زاہد اور ناصح کو مطعون کیا جاتا ہے یا ان کی پگڑیاں

اچھالی جاتی ہیں، دراصل ان علامتوں کی آڑ میں اسلام اور اس کی قدروں کے خلاف اعلان بغاوت کیا جاتا ہے، یہ ایک ایسا میٹھا زہر ہے، جو ہر طبقے میں بڑی آسانی سے پیا جارہا ہے، دوسرا شعر بھی محض سوقیت کا آئینہ دار ہے، اس میں نہ کوئی پیغام ہے اور نہ شعریت، تیسرا شعر ایک ایسے شاعر کا ہے، جن کا اوڑھنا بچھونا ادب اسلامی ہے، انھوں نے اپنے شعر میں اسلامی احکام و ارکان کی خلاف ورزی کی طرف جس انداز سے آمادہ کیا ہے، وہ بہرحال شریعت میں ناپسندیدہ ہے، اسے بڑی آسانی کے ساتھ جوش ملیح آبادی کی فاسقانہ اور ملحدانہ شاعری کے خانے میں رکھا جاسکتا ہے، چوتھا شعر بھی ایک ایسے شاعر کا ہے جو اسلامی ادب سے منسوب ایک انجمن کے ذمے دارانہ منصب پر فائز ہیں، ان کا یہ شعر کس درجہ مبتذل اور سوقیانہ ہے، یہ قارئین پر پوری طرح عیاں ہے، اس کے برخلاف پانچویں، چھٹے، نویں اور دسویں اشعار کو دیکھیے، یہ چاروں شعر کسی مومن و مسلم کے نہیں بلکہ دو غیر مسلم شاعروں کے ہیں، پانچویں شعر میں بندے کی اس کے اللہ سے گہری وابستگی، چھٹے میں بدی و گناہ کے کاموں سے اجتناب، نویں میں آخرت میں حساب و کتاب اور جواب دہی کا احساس اور دسویں شعر میں دنیا کی زندگی میں احتیاط و تقوی کا درس دیا گیا ہے، اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اشعار یقیناً کسی مومن و مسلم اور متقی و پرہیزگار شاعر کے ہوں گے، اس طرح ساتویں، آٹھویں اور گیارہویں شعروں کے خالق تین ایسے شاعر ہیں، جو نہ تو کسی اسلامی تنظیم و تحریک سے وابستہ ہیں اور نہ معروف معنوں میں انھیں اسلامی شاعر کی حیثیت دی جاتی ہے، بلکہ ذہنی ہیئت اور وضع قطع کے اعتبار سے اس پوزیشن میں بھی نہیں ہیں کہ اسلامی ادب سے منسوب کسی اسٹیج پر کلام سنانے کی انھیں اجازت مل سکے، اور دور کیوں جائیے "حکیم الامت" علامہ اقبال ہی پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال لیجیے تو پتا چلے گا کہ وہ "حکیم الامت" علامہ اقبال جو شعر و ادب کی تاریخ میں ایک اسلامی شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں اور ان کے اشعار سے ہمیشہ اس انداز سے استفادہ کیا جاتا ہے، گویا وہ قرآن و حدیث کے درجے کی کوئی چیز ہے، جب ہم ان کے کلام پر غور کرتے ہیں تو بہ کثرت مقامات ایسے ملتے ہیں جو اسلامی تعلیمات و احکام سے میل نہیں کھاتے، یہ صحیح ہے کہ اس قسم کی چیزیں اقبال کی شاعری کا کل نہیں جزو ہیں، لیکن جب ہم انھیں اسلامی شاعر کی حیثیت سے متعارف کراتے ہیں اور ادخلوا فی السلم کافۃ کا درس بھی دیتے ہیں تو اس سے ہمارا مقصد یہی ہوتا ہے کہ بات پوری کی پوری اسلامی ہی ہونی چاہیے، تضاد و دورخی کا یہاں گزر نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج کی شاعری کا دامن ان تمام آلائشوں اور مکروہات سے پاک ہوچکا ہے جن کے لیے وہ کبھی بدنام تھی، خصوصاً غزل کی شاعری کو لیجیے، غزل کے معنی لغت میں "با محبوب گفتن" کے ملتے ہیں، چناں چہ بیسویں صدی کے اوائل تک غزل کو اسی معنی میں برتا جاتا رہا، شعرا کی توجہ محبوب کے زلف و گیسو اور آرائش و زیبائش پر مرکوز رہی حتی کہ امیر مینائی جیسا ثقہ شاعر بھی یہ شعر کہہ گیا۔

کسی نے نقطۂ رخ بے تحفظ کب دیکھا ہے عالم میں
نہ ہوتا کس طرح نقطہ رخ محبوب پر تل کا

لیکن اب "محبوب" محض گوشت و پوست کا انسان (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) نہیں رہا، اب اس کے تصور میں بہت وسعت آگئی ہے، دنیا جہان کے مسائل اور انسان کے تمام خارجی و داخلی احوال محبوب کا درجہ حاصل کرچکے ہیں، جس شاعر کا تصور محبوب جتنا اعلیٰ و ارفع ہوگا، اتنا ہی اعلیٰ و ارفع اس کا فن پارہ ہوگا، اب وہی غزل مقبول ہوگی اور ہوتی ہے، جس میں گل و بلبل اور زلف و گیسو سے بلند مضامین باندھے گئے ہوں، خواہ وہ مشاعروں کی شاعری ہو خواہ کتابوں اور رسالوں کی، اس میں قاری یا سامع یہی دیکھتا ہے کہ اس میں غم جاناں کے ساتھ غم جہاں یا غم دوراں کا عنصر کس حد تک موجود ہے، محمد علی جوہر، حسرت موہانی، شفیق جون پوری، جگر مرادآبادی، اقبال سہیل، نشور واحدی اور فنا نظامی، عامر عثمانی ہمارے ان شعرا میں ہیں، جنھوں نے اردو غزل کا رشتہ غم دوراں یا غم جہاں سے جوڑا، مولانا شفیق جون پوری ہمیں اس سلسلے میں سب سے زیادہ پیش پیش ملتے ہیں۔

بیسویں صدی کے نصف آخر کے غزل گو شعرا پر ہم نگاہ ڈالیں تو دیکھیں گے کہ اردو غزل اس حد تک انسان کی سماجی، معاشرتی اور تہذیبی زندگی سے جڑ چکی ہے، اعجاز رحمانی، کرشن بہاری نور، آسی، منور رانا، طاہر تلہری، اقبال ساجد، اقبال عظیم، انور مسعود، راحت اندوری، عرفان صدیقی، ہاشم فاروقی، وسیم بریلوی، انور جلال پوری، افتخار امام، شاعر جمالی، نواز دیوبندی، ماجد دیوبندی، ... شاکر، منصور عثمانی، سیفی امروہوی، اظہر عنایتی، افسر امروہوی، رئیس رام پوری اور زبیر احسن سیفی موجودہ شعری منظر نامے کے یہ وہ ہر دل عزیز شعرا ہیں، جنھوں نے رسالوں اور مشاعروں کے وسیلے سے اپنی شاعری کے ذریعے اعلیٰ انسانی و اخلاقی قدروں کو اجاگر کیا ہے، محبت، خلوص، انسانیت

اور اتحاد و اتفاق کی روایت کو زندہ کیا ہے اور ایسے اشعار اپنے قارئین و سامعین تک پہنچائے ہیں جو ایک انسان سے دوسرے انسان کی محبت و یگانگت اور اللہ سے بندے کے تعلق و وابستگی کے رشتے کو مستحکم کرتے ہیں۔

چند اشعار ملاحظہ کریں:

نوکِ سناں نے وقتِ جاں کا کیا سوال
سر نے کیا قبول نظر نے کہا نہیں

(عرفان صدیقی)

اس وقت کہاں کون دھواں دیکھنے جائے
اخبار میں پڑھ لیں گے کہاں آگ لگی تھی

(انور شعور)

ہائے رے حالات اک مہمان لوٹانا پڑا
کل نہیں گھر میں یہ بچے سے کہلوانا پڑا

(اقبال ساجد)

تونے کچھ دنیا سے مانگا ہے ضرور
بے سبب تو غم نہیں ہوتے سہیل

(سہیل احمد زیدی)

اب مکانوں کا تعارف یوں کراتے ہیں مکیں
یہ در و دیوار کتنے قیمتی پتھر کے ہیں

(اعجاز رحمانی)

جو بہ زخم خود بھٹکتے ہیں
وہ کبھی راہ پر نہیں آتے

(اعجاز رحمانی)

میں آنکھوں سے تو مایوس لوٹ آیا تھا
مگر کسی نے بتایا بہت حسیں ہوں میں
وہ ذرے ذرے میں موجود ہے مگر میں بھی
کہیں کہیں ہوں، کہاں ہوں، کہیں نہیں ہوں میں

(راحت اندوری)

رہنا ہے چمن میں تو خوشبو کی طرح رہیے
سوکھے ہوئے پتوں کو سب لوگ کچلتے ہیں

(آسیہ فاروقی)

وہ میرا عیب پوش ہے میں اس کا پردہ دار
میرا لباس وہ ہے، میں اس کا لباس ہوں

(طاہر تلہری)

اس سرائے میں لڑنے سے کیا فائدہ
تم بھی مہمان ہو ہم بھی مہمان ہیں

(زبیر ابن سیفی)

سادہ مزاجی شیوہ اپنا ہم کیا جانیں لاگ لپیٹ
جب دیکھا ماحول غلط ہے محفل سے اٹھ آئے ہیں

(سیفی امروہوی)

اس آنکھ سے تم خود کو کس طرح بچاؤ گے
جو آنکھ پسِ پردہ بھی دیکھنے والی ہے

(رواکبر داغی)

اگر تم شاد رہنا چاہتے ہو
کسی کی بھی دل آزاری نہ کرنا

(رئیس رام پوری)

ان کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی۔

یہ عجیب المیہ ہے کہ جب بھی اسلامی ادب کے حوالے سے شعرا کی بات آتی ہے شعرا میں القادری، عامر عثمانی، نعیم صدیقی، ابوالمجاہد زاہد، سہیل زیدی اور حفیظ میرٹھی پر فہرست مکمل ہو جاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بڑے معتبر شعرا ہیں، انھوں نے اپنے شعروں کے ذریعے شعر و ادب میں تعمیری قدروں کو روشن کیا ہے، لیکن یہ فہرست انھیں پر ختم کر دینا بڑی ناانصافی کی بات ہے، یہ فہرست بہت طویل ہو چکی ہے، گزشتہ سطور میں جن شعرا کا تذکرہ آیا ہے، یا جن کے اشعار نمونے کے طور پر نقل کیے گئے ہیں، آخر انھیں کس خانے میں رکھا جائے گا۔

اس کسی قدر تفصیلی گفتگو سے اس نتیجے تک پہنچا جا سکتا ہے کہ شعر و ادب میں اسلامی اقدار و اخلاقیات کی ترجمانی ہر عہد میں ہوتی رہی ہے، اس میں مسلم و غیر مسلم دونوں ہی شعرا و ادبا نے حسب توفیق اور حصہ لیا ہے، ایسی صورت میں اس نظریے کی گنجائش نہیں کہ ہر وہ ادب اسلامی ہوگا جو کسی اسلام کے ماننے والے کے ذریعے تخلیق کیا گیا ہو، اس لیے کہ جو ادب، جس نظریے کا علم بردار ہوتا ہے، اسے اسی معیار پر پرکھنا اور اس کی قدروں کی تعیین کرنے کے لیے اصول بھی اسی نظریے سے اخذ کیے جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ ادب کو اسلامی شریعت کے اصولوں پر نہیں پرکھا جا سکتا، صرف اس کی مجموعی اقدار اور اخلاقیات کو پیش نظر رکھا جائے گا، ادب کو اسلامی شریعت و قانون کے اصولوں پر پرکھنے سے مفتی کفایت اللہ کی تعلیم الاسلام یا مولانا عبدالشکور فاروقی کی ”علم الفقہ“ تو وجود میں آ جائے گی لیکن کلیات اقبال، کلیات شفیق جون پوری، متاع آخر شب (حفیظ میرٹھی)، وادی طوبیٰ (سہیل زیدی)، یہ قدم قدم بلائیں (عامر عثمانی) اور پہلا پتھر (طاہر تلہری) جیسی چیزیں وجود میں نہیں آ سکیں گی۔

ادب ہمیشہ زندگی کے شانہ بہ شانہ چلتا ہے اور اگر تحریک نو بہ نو اور انقلاب آفریں زندگی ہی کا نام ہے تو اس تحریک سے وابستہ کوئی بھی ادیب یا شاعر زندگی کے اس بہاؤ سے نہیں بچ سکتا، اس وقت ادیب یا شاعر کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ آج کے انسان کی سوئی ہوئی انسانیت کو بیدار کرے اور اس کی مسخ شدہ فطرت کو پھر سے اصلیت کی طرف لائے، اگر وہ انسانوں کے اندر شعور انسانیت بیدار کرنے میں کامیاب ہو گیا تو کوئی وجہ نہیں کہ کوئی فرد بشر جاہلیت پر جما رہ سکے۔ اس جذبے کے تحت جو ادب تخلیق ہوگا، وہی دیرپا اور زندۂ جاوید ہوگا، خواہ تخلیق کار کا مذہب و مسلک کچھ بھی ہو۔۔

آپ کے لہجے سے چادر کی بو آتی ہے
سر پرستوں کی طرح حال نہ پوچھا کیجے

(اقبال عظیم)

راستو! کیا ہوئے وہ لوگ جو آتے جاتے
میرے آداب پہ کہتے تھے کہ جیتے رہیو

(اظہر عنایتی)

فلک کو جب سعادت میزبانی کی ملی ہوگی
تو بے چاری زمین کی رات آنکھوں میں کٹی ہوگی

(وسیم بریلوی)

اللہ مرے رزق کی برکت نہ چلی جائے
دو روز سے گھر میں کوئی مہمان نہیں ہے

(ماجد دیوبندی)

گنگناتا جا رہا تھا اک فقیر
دھوپ رہتی ہے نہ سایہ دیر تک

(نواز دیوبندی)

فرشتے آ کے ان کے جسم پر خوشبو لگاتے ہیں
وہ بچے ریل کے ڈبے میں جو جھاڑو لگاتے ہیں

(منور رانا)

شہر وفا میں دھوپ کا ساتھی کوئی نہیں
سورج سروں پہ آیا تو سائے بھی ڈھل گئے

(پروین شاکر)

آپ ان اشعار کو دیکھیں، ان میں انسان کے اخلاقی، تعمیری، سیاسی اور سماجی بھی مسائل ہیں، تمام اشعار میں کامل طور پر روح عصر موجود ہے، کسی بھی شعر میں اسلامی فکر و خیال سے متصادم

طوائفی ادب.....

فحاشی کی حرمت

(Pornography)

ترجمہ: فلک ظہیر (جامعۃ الفلاح)

"مجھے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ میرے ایک بیٹے نے آج دوپہر بعد فلاں فلاں ویب سائٹ دیکھنے میں اپنا کچھ وقت صرف کیا ہے۔ وہ ۱۳ اور ۱۱ سال کے ہیں۔ میں بہت پریشان ہوں سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کروں؟ انشاء اللہ کوئی حل ضرور نکلے گا۔ یہ ایک عجیب چیز ہے لیکن میں اسے مکمل طور پر بگڑی ہوئی ہوں"۔ یہ ایک ماں کے تأثرات ہیں جو اس نے Sound vision کے والدین کی میٹنگ میں ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو دیے تھے۔

انٹرنیٹ پر طوائفی ادب اور فحاشی ذرائع ابلاغ کا جدید ترین خطرہ ہے۔ والدین اور ہر وہ شخص جو بچوں اور عام اخلاقیات سے تعلق رکھتے ہیں انھیں اس خطرہ سے ضرور نمٹنا چاہیے۔

برہنہ عورتوں کی تصویریں (یہ عموماً عورتوں کی ہوتی ہیں، عام طور سے عریانیت اور فحاشی شہوت پسند مردوں کی خواہشات کی تکمیل کرتی ہیں) اور جماع میں مشغول جوڑوں کی تصویروں کی فہرست میں کچھ کا ذکر یوں تو انٹرنیٹ ہی کے لیے خاص نہیں ہیں، کیونکہ کئی دہائیوں سے فحاشی رسائل وجرائد فلموں اور دور جدید میں ٹی وی میں موجود ہے۔ انٹرنیٹ تو محض ایک ایسا ہتھیار اور اوزار ہے جو طوائفی ادب کے تخلیق کاروں کے ہاتھ لگ گیا ہے جس سے وہ اپنے نام نہاد فن (Art) کا مظاہرہ کر رہے ہیں، اور جس نے متعدد مسائل کو الجھا کر رکھ دیا ہے۔

انٹرنیٹ پر طوائفی ادب (فحاشی) کے نفوذ کا مطلب ہے کہ اہل اسلام اس نئے ذریعہ کو استعمال کرتے وقت ایک بار پھر اسلامی تناظر میں اس مسئلہ پر غور و فکر کریں۔

اسلامی نقطہ نظر: "کسی کو بھی یہ بات کہنے کی گنجائش نہیں کہ فحاشی حرام نہیں ہے"۔ شیخ محمد نور عبداللہ جو missouri میں گریٹر سینٹ لوئس میں اسلامی فاؤنڈیشن کے امام

اور مدینہ یونیورسٹی کے کلیہ شریعہ کے فارغ اور مکہ مکرمہ کی ام القریٰ یونیورسٹی سے قرآن وحدیث میں ماسٹر ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ قطعاً حرام ہے۔ مزید کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کو زنا کرتے ہوئے دیکھے خواہ وہ فلموں میں ہو یا تصویروں میں یا حقیقت میں تو یہ تمام شکلیں حرام ہیں۔ سورہ نور آیت ۳۰-۳۱ میں اسلام میں فحاشی کی حرمت کے کچھ ثبوت پیش کرتے ہیں اور ان احادیث کا ذکر کیا ہے جن میں وضاحت ہے کہ جو چیز حرام کی طرف لے جائے وہ حرام ہے اور یہ کہ زنا کا ارتکاب جنسی مباشرت سے پہلے ہاتھ اور آنکھیں کرتی ہیں۔

شیخ دریملی جو جامعہ ازہر مصر کے فارغ ہیں وہ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ انھوں نے کھلے طور پر اپنی تقریروں میں انٹرنیٹ، فحاشی اور نوجوانان امت سے بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ روزانہ کم از کم دو مسلم نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے معاملات آتے ہیں جو سیدھے کران سے مسئلہ پر بالمشافہ گفتگو کرتے ہیں۔ دریملی کہتے ہیں کہ نوجوانوں کو جرم کا احساس ہے مگر وہ اسکو دیکھنا چھوڑ نہیں سکتے، ان کے علاج کی ضرورت ہے۔ وہ بالکل عادی ہو چکے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جو شخص یہ چیزیں دیکھے گا اس کا دماغ شیطان کا بسیرا ہو جائے گا اور ہر وقت وہ اس طرح کے کاموں کے ارتکاب کی خواہش کرے گا۔ شیطان کسی سے فوراً بدکاری کرنے کو نہیں کہتا بلکہ وہ اس کی طرف بتدریج لے جاتا ہے، شیخ دریملی انٹرنیٹ کو دواعی زنا میں ہونے کے بارے میں اس کے رول کی واضح مثال پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہاتھ حرام کو چھو کر بدکرداری کا ارتکاب کرتا ہے، اس لئے ان عریاں تصاویر کو دیکھنے کے لئے جو مرد یا عورت کمپیوٹر کے Key board یا Mouse کو استعمال کرے گا وہ بدکاری کا مرتکب ہوگا۔

Young Muslim Canada کے قومی کوارڈینیٹر، ۱۹ سالہ طہ غیور کہتے ہیں کہ بدقسمتی سے مسلم نوجوانوں کی بڑی تعداد انٹرنیٹ پر طوائفی ادب کا استعمال کرتی ہے اور بنیادی طور پر وہ انٹرنیٹ کا استعمال محض اسی مقصد کی خاطر کرتے ہیں، اور بسا اوقات فحاشی کے تعلق سے بچوں کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو والدین مٹی میں اپنا سر چھپانے کی خواہش کرنے لگتے ہیں، شیخ دریملی کہتے ہیں کہ آپ کو کیسے معلوم کہ آپ کے بچے اس سے واقف نہیں؟

ٹی وی پر فحاشی تک آسان رسائی، رسائل وجرائد کی دکانیں، اور انٹرنیٹ نے تقریباً اس سے بچنا ناممکن بنا دیا ہے، خواہ کسی کے ارادے بالکل واضح ہی کیوں نہ ہوں، انٹرنیٹ میں بسا اوقات مطلوبہ

روابط یا Links یا windows تک پہنچنے کے دوران میں Surfer کے چاہے بغیر فحش Website یا Web page خود ہی کھل جاتے ہیں تاہم اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ والدین خود ہی اپنے بچوں کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو جائیں، شیخ نور عبداللہ بچوں سے مسائل پر کھلی گفتگو کرنے کی اہمیت پر زور دیتے ہیں خصوصاً اس وقت جب کہ وہ اس طرح کی چیزیں دیکھتے پکڑے جائیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر والدین اس سے چشم پوشی برتتے ہیں اور ایسا نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم اس مسئلہ سے بے رخی برت رہے ہیں البتہ انٹرنیٹ یا دوسرے ذرائع ابلاغ پر پابندی نہ لگا دیں۔

طوائفی ادب اور فحاشی کی پردہ دری کے نقصانات کے باوجود نہ تو شیخ نور عبداللہ نے اور نہ ہی شیخ دریمی نے مسلم گھروں میں انٹرنیٹ کو سراہا ہے، بلکہ دونوں ہی کہتے ہیں کہ بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ گزشتہ ذرائع ابلاغ مثلاً ٹی وی اور رسائل و جرائد وغیرہ کی طرح اس ذریعہ کا استعمال بھی کس طرح کیا جا رہا ہے گویا انٹرنیٹ مفید بھی ہے اور مضر بھی، اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عطا کی ہے کہ بھلائی کہاں ہے اور برائی کہاں، اللہ تعالیٰ تمہارے انتخاب کے مطابق تمہارا فیصلہ کرے گا۔

طوائفی ادب کے متعلق کچھ حقائق اور اعداد و شمار امریکی اخبار (USAToday 6/4/1998) کے جائزے کے مطابق انٹرنیٹ پر تقریباً ۳۰٪ Sites طوائفی ادب (Pornography) پر مشتمل ہیں۔

تلاش کسی کی، ہاتھ آئے کچھ اور ہمارے انٹرنیٹ کے Search Engine کی رپورٹیں اس کے غلط انداز ہونے کی حقیقت کی نشاندہی کر رہی ہیں، ہماری Site کو روانہ کی گئی ۹۹٪ Hits (برقی ملاقات) میں تلاش کرنے والا آدمی طوائفی ادب (فحاشی) تلاش کرتا ہے، بہت سے غلطی سے فحاشی تلاش کرتے ہیں، قابل غور بات ہے کہ ۹۹٪ طوائفی ادب کو تلاش کرنے والے الفاظ نے Internet Intervention (انٹرنیٹ میں مداخلت) کے منصوبے کی حوصلہ افزائی کی ہے Internet Intervention کمپیوٹر کا ایسا جال جو سیکڑوں Websites کی میزبانی کرتا ہے، جو بچوں سے متعلق فحاشی کے متلاشی کو Intervention Help site کا پتہ بتاتے ہیں بہت سے لوگ جنہیں اس کی ضرورت ہوتی ہے وہ بکثرت ہمارا امدادی پیغام دیکھتے ہیں"

...ں Website جو آپ کو بتائی گئی ہے اسے دیکھنے کے لئے یہاں Click کریں، اگر آپ ...ان کی درخواست پر بچوں کی فحاشی والے Wearch استعمال کرتے ہوں" (ماخوذ از نوتیا ...لا فاؤنڈیشن ویب سائٹ، جو فحاشی مخالف ویب سائٹ ہے، ٹونی فلنٹ امریکہ کے بدنام زمانہ ...ادیب لاری فلنٹ (Lorry Flynt) کی بیٹی ہے۔)

...ون ڈالر کی صنعت طوائفی ادب (Pornography) کی صنعت ۱۲ سے ۱۳ بلین ڈالر ...آمدنی والی صنعت ہے جو Coca Cola اور Mc Donnel Doughlas کی مشترکہ ...آمدنی سے بھی زیادہ ہے (From An Affair of the mind از Larrie Hall)

انٹرنیٹ پر طوائفی تفریح نے Cyberspace میں تیسرا سب سے بڑا بازار بنا دیا ہے ...کی سالانہ آمدنی کا تخمینہ تقریباً سو ملین ڈالر ہے، اس قسم کی بازاروں کی کامیابی نے طوائفی ادب ...اضافے کو ہوا دی ہے، محتاط اندازے کے مطابق یہ دس بلین ڈالر سالانہ تک پہنچ گئی ہے۔
(Anthony Flynt, skin trade spreading Across u.s., Bos...
Sunday Globe Dec. 1,199...

...ش سائٹ پر برقی ملاقات (Hits) ایک اداکارہ کے مرکز نے حالیہ ہفتے کے ...میں 4.7 ملین برقی ملاقاتوں (Hits) کو Receive کیا۔ (Promisekeepers Wbsite)

...ڈیو پر فحش بینی کا امکانی کرایہ 1996 میں ویڈیو پر فحش بینی کا کرایہ 66... ملین ڈالر تک پہنچ گیا جو امریکہ میں ویڈیو فحش بینی کا 13.3 فیصد ہے۔ 1996 میں ویڈیو فحش ...کی فروخت اور امکانی کرایہ کا نفع 4.2 بلین ڈالر تھا (U.S.A. today 9-5-97 & UPI
Nery, 19-11-1997

...عادلی کی لت طوائفی ادب کا استعمال موڈ بدلنے یعنی بطور تفریح ہو سکتا ہے اور خواب آور ...دوا کی طرح بطور عادت بھی ہو سکتا ہے۔ (محقق ریچرڈ ڈاریک کا خیال جو برمنگھم میں Young University College of Nursing میں معاون پروفیسر ہیں) ایک اور محقق Victor Cline Phd شعبہ نفسیات Utahilinwer, نے اپنی ایک تصنیف (Pornography Effect: Emperical and clinical e.....) میں بتایا ہے کہ فحاشی کا ذوق بتدریج

پیش از پیش ہونے والا اور بچوں کو اس کا عادی اور رسیا بنادینے والا ہوتا ہے بسا اوقات یہ عادت اسے دیوانے کی کوشش بچوں پر اپنے خوابوں کا تجربہ کر بیٹھنے تک پہنچادیتی ہے۔

طوائفی ادب اور جنس کی لت | جنسی عادات میں فحش لٹریچر سے پہلی بار آشنائی کی اوسطاً ۱۱ رسال کی ہوتی ہے (American Family Assaciation outreach. 1997)

باپ پر طوائفی ادب کے اثرات | ایک تجزیے کی رو سے گزشتہ برس فحش لٹریچر خریدنے والے لوگ ازدواجی اور خاندانی زندگی میں سکون کے حامل نہ تھے بالمقابل ان لوگوں کے جنھوں نے فحش لٹریچر نہیں خریدا۔(National Centre for fathering)

طوائفی ادب اور جنسی حملہ | گزشتہ چند دہائیوں کی مجموعی تحقیق کے مطابق بالجبر اور بچوں کے ساتھ بدکاری میں طوائفی ادب کا اہم رول رہا ہے۔ Pornography Victim, Compensation Act of 1992, US senate comm.on the judiciary) بچوں کے ساتھ بدکاری کرنے والے اکثر تختہ مشق بننے والے بچے کی مزاحمت کم کرنے اور ہدایات کے تحت پوری طرح کام کرنے کے لئے اپنے شکار کو برائی پر آمادہ کرنے کی غرض سے طوائفی ادب کا استعمال کرتے ہیں۔ W.L Marshall.phd.pornography and sexual offenders in pornography Researeh advances and policy

طوائفی ادب کون استعمال کرتا ہے | ابتدائی فحاشی اور طوائفی ادب کا استعمال کرنے والی جماعت ۱۲ سے ۱۷ رسال کے لڑکوں کی ہے۔ Attorney Generals finid report 1996 pg. 255)

جنسی رشتوں پر طوائفی ادب کے اثرات | فحاشی شخصیت کی فطری نشوونما کی شکل بگاڑ دیتی ہے، اگر ابتدائی محرک فحش عریاں تصاویر ہوں تو عنفوان شباب کی تعیین کی جاسکتی ہے کہ ردو تصویروں کے ذریعہ پرجوش اور بھڑکیلا ہوسکتا ہے ایک بار جنسی کا عمل بار بار اسی عمل کو ابھارتا ہے حتی کہ پھر یہ دائمی مرض کی شکل اختیار کرلیتا ہے نتیجتاً اس فرد کے لئے اچھے لوگوں سے تعلقات اور روابط رکھنا دشوار ہوجاتا ہے۔ (Jerry Bergman phd.(pornography on Sexual Development) three case histories, family therapy, 1982 pg. 265)

☆☆☆☆☆☆☆

ادب عالم

سکھ مت

(۳)

انیس احمد مدنی

ہری مندر | ہر مندر سکھوں کی وہ مرکزی عبادت گاہ ہے جسے ان کے پانچویں گرو ارجن دیو نے امرتسر میں واقع امرتسر کے تالاب میں بنوائی تھی، امرتسر (چشمۂ آب حیات) کا تالاب پہلے سے آباد تھا گرو نانک صاحب نے اس تالاب کے پاس ایک عرصہ قیام کیا تھا جس کی وجہ سے گرو امرداس نے اسے اکبر بادشاہ سے حاصل کرکے وہاں ایک شہر کی بنیاد رکھی اور اس چشمہ کو ایک بڑے تالاب کی شکل میں بنوادیا، بعد میں یہ تالاب امرتسر کے نام سے مشہور ہوا اور شہر کا بھی یہی نام پڑگیا، گرو امرداس کے بعد گرو ارجن نے اس تالاب کو مزید وسعت دی اور اس کے پاس ہرمندر کی بنیاد رکھی، یورپین مصنفین اسے گولڈن ٹمپل آف امرتسر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ہری مندر کا سنگ بنیاد | ہری مندر کا سنگ بنیاد لاہور کے مشہور صوفی میاں میر نے رکھا تھا اس کی بنیاد ۱۵۸۸ء میں ڈالی گئی۔

ہری مندر کی اہمیت | یہ سکھوں کی سب سے اہم اور مقدس عبادت گاہ ہے اس مقام پر سکھ گروؤں کی مستقل رہائش اور ان کی ذات میں "میری" اور "فقیری" (سیاست اور مذہب) کے امتزاج کے باعث یہ جگہ سکھوں میں "دربار صاحب" کے نام سے یاد کی جاتی ہے اس کی زیارت اور یہاں غسل گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ ہے چنانچہ سکھوں کے پانچویں گرو گرو ارجن دیو نے ہرمندر کی تکمیل کے بعد یہ اعلان کردیا تھا کہ رام داس کے تالاب میں اشنان کرنے سے انسان سے صادر ہونے والے تمام گناہ دھل جائیں گے اور وہ اشنان کے ذریعہ پاک ہوجائے گا۔

ہری مندر کی شہادت اور دوبارہ تعمیر | شہزادہ تیمور جو اپنے باپ احمد شاہ درانی کی طرف سے پنجاب پر حکومت کرتا تھا وہ سکھوں کا مخالف تھا، ۱۷۵۶ء میں اس نے امرتسر پر حملہ

کیا "ہرمندر" کو منہدم کر دیا اور مذہبی تالاب کو اس کے ملبے سے پر کر دیا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ص ۱۵) بعد میں سکھوں نے اس کو دوبارہ تعمیر کر دیا۔

آدی گرو گرنتھ صاحب مرتب: آدی گرو گرنتھ صاحب کے مرتب گرو ارجن ہیں جنھوں نے اپنے اور اپنے سے پہلے تمام سکھ گروں اور ان صوفی سنتوں کا کلام جو گرو نانک نے اپنی سیاحت کے دوران ہندوستان کے کونے کونے سے جمع کیا تھا مرتب کر کے سکھوں کے لیے ایک مقدس کتاب "گرنتھ صاحب" تیار کی جو اس دور سے لے کر ہمیشہ کے لیے سکھوں کی مذہبی زندگی کا محور قرار پائی۔

"گرنتھ" کو گرو کیوں کہتے ہیں؟ گرو کے معنی آتے ہیں استاد رہنمائی کرنے والا، سکھ گروؤں اور صوفی سنتوں کے کلام پر مشتمل گرنتھ معرفت الٰہی اور اس سے متعلق اخلاقی تعلیمات پر مبنی ہونے نیز اپنی تاثیر کے اعتبار سے انسانوں کی خدا تک رہنمائی کا سب سے موثر ذریعہ ہے اس لئے اسے گرو کا خطاب دیا گیا، اور دسویں گرو گوبند سنگھ نے اپنے بعد انسانی گروؤں کا سلسلہ ختم کرتے ہوئے گرنتھ صاحب ہی کو آئندہ ہمیشہ کے لئے سکھوں کا گرو قرار دیا۔

اہمیت اس کتاب کو سکھ اسی طرح احترام سے دیکھتے ہیں جیسے عیسائی انجیل کو ہندو گیتا کو اور مسلمان قرآن مجید کو دیکھتے ہیں، اس کو ہمیشہ ریشمی کپڑوں میں لپیٹ کر کسی اونچے مقام پر رکھا جاتا ہے اس کو کسی شامیانے کے نیچے ہی کھولتے ہیں اور جب تک اس کو پڑھا جاتا ہے تب تک اس پر مور چھل سے پنکھا جھلتے رہتے ہیں جس خاص کمرے میں اس کو رکھا جاتا ہے اس میں داخل ہونے والے کے لیے لازمی ہے کہ اس نے چند منٹ پہلے ہی غسل کیا ہو صاف کپڑے پہنے ہو اور اپنا سر ڈھانکے ہوئے ہو، گرو گرنتھ کی موجودگی میں بیٹھنے کے لئے پہلے یہ ضروری ہے کہ سکھ اس کی طرف ٹھیک ویسے ہی سر جھکائے جیسے گرو کی طرف جھکایا جاتا ہے۔

معانی و مضامین گرنتھ صاحب حمدوں اور دعاؤں کا مجموعہ ہے، فلسفہ اور اخلاقیات کے مباحث بھی جا بجا منتشر ہیں، اس کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ ساری خوشی عشق حقیقی میں ہی مل سکتی ہے کہیں اور نہیں۔

اجزاء گرنتھ صاحب میں ۳۳۸۴ حمدیں ۱۵۵۷۵ چوپائیاں ہیں، ان میں سے ۱/۴ کو پانچویں گرو نے اور ۱/۴ کو پہلے گرو نے لکھا تھا، چھٹے، ساتویں، آٹھویں اور دسویں گرو کے علاوہ باقی سارے گروؤں کا کچھ کلام اس میں موجود ہے، گرو ارجن نے کافی تعداد میں مسلمان صوفیوں اور ہندو سنتوں کا کلام

...شامل کر لیا ہے۔

...صوفی اور سنت ۱۱۵۰ سے شروع ہو کر ۴۰۰ برس کی مدت کا زمانہ تک پھیلے ہوئے ہیں، ان ...ت کے علاوہ پانچ گروؤں کی تحریف میں مختلف سوئے ہیں، ان کو ۱۱ میراثوں نے الگ الگ ...ں میں لکھا ہے ان کے علاوہ مردانہ کی نظر کردہ حمدیں بھی ہیں، اس طرح کل ملا کر اس میں ۴۲ ...وں کا کلام ہے۔

گرو گرنتھ کا موجودہ نسخہ طبع شدہ شکل میں ۱۴۳۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اسے ۳۳ ابواب ...سیم کیا گیا ہے پہلا باب گرو نانک کے تصنیف کردہ "جپ جی" سے شروع ہوتا ہے، جسے سکھ لوگ ...پڑھتے ہیں، اسی باب میں گرو نانک کی کچھ پوڑیاں (Pauids) بھی شامل ہیں، آخری باب ...ت (Bhathas) مخصوص گویے لوگوں کی تخلیقات مثلاً اشلوک اور سویے درج کئے گئے ہیں 131 ابواب کے نام مختلف کلاسیکی راگوں کے نام پر رکھے گئے ہیں اور اس حصہ کی تالیفات میں ...خاص بات یہ ہے کہ پہلے سے متعین شدہ راگوں اور دھنوں میں ہی ان کا پاٹھ کرنا ضروری قرار دیا ...ہے۔

...مت کی خصوصیات ا۔ سکھ ازم کرا۔ سمسار، گیان، مکتی کے چار نکاتی ...وں کا پوری طرح سے موید ہے (بحوالہ جپ جی 20-25) عہد حاضر میں یہ اصول ہندو ازم کی ...ہی شکل کی امتیازی خصوصیات ہیں۔

...ہندوستان کی کسی بھی دوسری روایت کے مقابلہ میں سکھ ازم میں گرو کو زیادہ نمایاں طور پر مرکزی ...یت دی گئی ہے، حتیٰ کہ خدا کے لئے ایک نام "واہے گرو" بھی رکھا گیا ہے۔

...پانچ ککاروں کا خصوصی عہد نامہ فرائض میں شامل کیا گیا ہے۔

...ہندو ازم کے برعکس سکھ ازم اس بات کو تمام سکھوں کا فرض قرار دیتا ہے کہ وہ سماجی ناانصافیوں کے ...ل اور اپنے عقیدہ کے دفاع میں جنگ کریں۔

...سکھ ازم میں خالص وحدت الوجود Monotheisn کی تعلیم عام کی گئی ہے۔

...اسی مطابقت سے سکھ ازم اوتاروں کے نظریہ کو قبول نہیں کرتا اور نہ ہی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ کوئی پہلا ...لٰہی یا خصوصی پیغمبر بھی ہو سکتا ہے۔

۷۔ سکھ ازم یہ تسلیم کرتا ہے کہ صرف ایک خدا (ایک اونکار) غیر مرئی شکل میں اور مرئی شکل میں اونکار" اپنی لاتعداد صفات کے ساتھ موجود ہے جس کے مختلف نام ہو سکتے ہیں۔

۸۔ سکھ ازم ذات برادری، بت پرستی، رسومات اور ظاہرداری کے تکلفات کے خلاف ہے۔

۹۔ سکھ ازم یہ تعلیم دیتا ہے کہ "مایا" خدا کی خلاقیت کا اظہار ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ انسان میں پانچ روایتی گناہ یعنی "کام" (لذت نفس) "کرودھ" (غصہ) "لوبھ" (حرص) "موہ" (دنیوی لگاؤ) اور "اہنکار" (انانیت) کو بھی جنم دیتی ہے۔ ان برائیوں کو دعا، مراقبہ اور خدمت خلق کے ذریعے دور کیا جاسکتا ہے۔

۱۰۔ گرونانک نے خود کو مکمل طور پر خدا کے حوالہ کرکے "نام سمرن" (ورد مسلسل) پر خاص زور دیا اور یہ بات کبیر پنتھ میں بھی پائی جاتی ہے، بریں بناء سکھ ازم کو "سنت مت" کا نام بھی دیا گیا ہے۔

۱۱۔ سنت شاعروں مثلاً رائے داس اور کبیر کی طرح سکھ ازم میں بھی مایا کے جال سے چھٹکارا پانے کے لئے بھگتی کا راستہ تجویز کیا گیا ہے۔

۱۲۔ گرونانک نے سنیاس نہیں تجویز کیا ہے بلکہ وہ "مکتی" کی راہ میں خانگی زندگی کو رکاوٹ بھی نہیں سمجھتے اور اسے سماجی زندگی کا ایک اہم شعبہ قرار دیتے ہیں۔

۱۳۔ سکھ ازم اگرچہ ہندو کلچر اور ہندو تصور کائنات سے وابستہ ایک ہندوستانی مذہب بھی ہے تاہم ویسے ہندو ازم اور اسلام دونوں ہی سے ماوراء اور آزاد ہے۔

۱۴۔ لیکن اس کے ساتھ ہی سکھ ازم میں یہ تعلیم بھی نہیں دی جاتی ہے کہ ہندو ازم یا اسلام غلط ہیں بلکہ سکھ ازم ہندوؤں اور مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ رسومات اور ظاہرداری کی پرواہ کئے بغیر اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے بہتر اخلاقی زندگی گزاریں اور سماج کی خدمت کریں۔

۱۵۔ سکھ ازم مقامی زبانوں کی حمایت کرتا ہے لیکن اس کی اپنی زبان گورمکھی ہے گرو گرنتھ صاحب اسی رسم خط میں لکھا گیا ہے اور گرنتھ صاحب کے بارے میں چونکہ سکھ عقیدہ یہ ہے کہ یہ سکھوں کو خود پسند (Centeedeger) "من مکھ" بنانے کی بجائے خدا پسند (God Centered) "گرومکھ" بناتا ہے لہذا اس رسم خط کا نام بھی گرومکھی رکھا گیا ہے۔

سکھ مت کے فرقے

سکھوں کے فرقے اور ذیلی فرقے کئی ہیں، لیکن مشہور دو ہیں

سہجس دھاری (۲) کیج دھاری۔ اول الذکر پاہل شدہ سکھوں کی نمائندگی کرتے ہیں، اس لیے وہ گوبند سنگھ کے کٹر پیرو ہیں، موخر الذکر حقیقت میں وہ سکھ تھے جنھوں نے اس کی پاہل کی رسم کو تسلیم کرنے اور جنگجو خالصاؤں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ دوسرے مشہور فرقے یہ ہیں:

(۱) نانک پنتھی، جو جنگجو تو نہیں، مگر سکھ ہی سمجھے جاتے ہیں، وہ ان قدیم گروؤں کے پیرو ہیں۔ گرو گوبند سنگھ کی بتائی ہوئی رسموں اور طریقوں کی تقلید کو ضروری خیال نہیں کرتے، لہذا ان کی عبادات زیادہ تر سلبی اور مطیعانہ ہیں، وہ تمباکو نوشی کی ممانعت نہیں کرتے اور نہ ہی وہ لمبے بال رکھنے کو ضروری سمجھتے ہیں، وہ پاہل شدہ نہیں ہوتے، وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے الفاظ میں وہ کیج دھاری فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۳) اداسی (تارکین دنیا) بھی، نانک پنتھیوں کی طرح، کیج دھاری فرقے میں شامل ہیں، وہ متشککین کے اس سلسلے کی نمائندگی کرتے ہیں، جس کی بنیاد نانک کے بیٹے سری چند نے رکھی تھی، وہ مجرد رہتے ہیں اور ان کے اصول وعقائد میں ہندوؤں کے...... عقائد کی بہت زیادہ جھلک پائی جاتی ہے۔

(۴) اکالی (اکال یعنی خدائے لایزال کے پرستار): جنگجو فرقہ ہونے کی حیثیت سے، اس کی بنیاد گوبند سنگھ نے رکھی تھی، وہ ذاتی طور پر دوسرے تمام سکھی سلسلوں سے مختلف ہیں، وہ اکثر سکھوں سے زیادہ کٹر عقائد کے حامل ہیں اور ان میں اب تک مخصوص جنگی روح باقی ہے۔

(۵) بندائی یا بندہ پنتھی، یعنی وہ سکھ جنھوں نے بندہ کو گیارہواں گرو تسلیم کیا تھا، مگر جٹ سکھ بندہ کی بدعات کے برعکس گرو گوبند کے عقائد کے شدید پابند ہیں۔

(۶) مذہبی (عام تلفظ مزبی) خاکروبوں کی جماعت کے ان افراد کے نمائندے ہیں جو پاہل کی رسم کے ذریعے سکھ بنے تھے۔

سکھ مت پر ہندو دھرم کے اثرات

سکھ مت سب سے زیادہ ہندو مت سے متاثر ہوا ہے البتہ سکھ مت نے ہندو دھرم کے عقائد ورسوم کو نئے افکار و نظریات سے ہم آہنگ بنانے کی کوشش کی ہے، اور چونکہ ہندو دھرم متفق علیہ بنیادی اصولوں سے خالی ہے لہذا اس نے سکھ مت کے افکار و نظریات کو بلا چوں وچرا قبول کر لیا اور ہندو سکھ مت کو اپنا ایک فرقہ سمجھنے لگے۔

سکھ مت پر ہندو دھرم کے اثرات کو درج ذیل نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ مقصد زندگی ہندو دھرم کے نزدیک مقصد زندگی، نروان (روح کا ...
سے نکل کر برہما کی ذات سے جا ملنا اور آواگون کے چکر سے نجات پا جانا) کا حصول ہے ...
نزدیک بھی مقصد زندگی یہی ہے البتہ سکھ مت نے اسلام کی روشنی میں جب اس عقیدہ کے ...
دشواری کی فراہمی مشکل دیکھی تو مشیت ایزدی کا اضافہ کر دیا (یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آواگون ...
کسی کو نجات مکمل اپنے فضل و کرم سے بھی دے سکتا ہے۔) حالانکہ ہندو دھرم اس استثناء کا قائل ...
(سوائے بعض مفکرین کے کیونکہ اس کے مان لینے کی صورت میں غیر برہمن بھی نجات پا سکتا ہے۔

حلول و اتحاد کا عقیدہ ویدانت کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ روح، ...
کائنات تینوں ایک ہی چیز ہے، انسانوں نے ان اشیاء کے درمیان تفریق و امتیاز عدم معرفت کی ...
کر لی ہے اگر ہم اپنے نفوس کا تزکیہ کر لیں اور انھیں شہوت و غضب، حرص و تکبر سے پاک کر ...
معرفت کے حصول میں لگ جائیں تو ان تینوں اشیاء کو باہم دگر متحد پائیں گے، ویدانت کی ...
تعلیمات کو سکھ مت نے بعینہ لے لیا ہے، گرونانک گرو گرنتھ صاحب میں لکھتے ہیں: "اے ...
ہے اور تو ہی تحریر اور تو ہی سیاہی ہے اور تو ہی میز" ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"اے خدا اس کائنات میں صرف تیری ہی ذات ہے تیرے علاوہ کوئی اور نہیں" ایک ...
ہے: "تو ہی مچھلی ہے اور تو ہی جال اور تو ہی شکاری، اے خدا صرف تو ہی ہے تیرے علاوہ کوئی اور نہیں"

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ سکھ مت عقیدہ توحید کے ساتھ عقیدہ حلول ...
واتحاد کا بھی قائل ہے۔

۳۔ ہندو دھرم کے دیوتا سکھ مت کا دعویٰ ہے کہ وہ توحید کا قائل ہے بلکہ ...
صاف و شفاف تصور ان کے یہاں پایا جاتا ہے وہ کسی اور مذہب میں نہیں ہے، کیونکہ انھوں نے ...
یہ عقیدہ جملہ ادیان و مذاہب سے لیا ہے، اور اسے شرک کی آلودگیوں سے پاک و منزہ کر لیا ہے، اور ...
کے لیے عقلی و وجدانی دلائل فراہم کئے ہیں، لیکن قاری یہ دیکھ کر حیرت و استعجاب میں پڑ جاتا ہے کہ ...
جانب خالص توحید کا یہ دعویٰ اور دوسری جانب ان کی مذہبی کتابوں میں ہندو دیوی دیوتاؤں کی ...
"خدا ہی وشنو ہے اور وہی شیو، وہی برہما ہے اور وہی پاروتی اور وہی لکشمی، جو شخص خدا کی ...

... کرنا چاہتا ہو معرفت خداوندی نہ ہونے کی بنا پر گنہگار ہو جاتا ہے، اس بات کے شاہد پران و کرشن، ...
... اور راہب ہیں، اے خدا " دھرمادیو" آپ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں" (باب جپ جی)

یہ اقتباس گرو گرنتھ صاحب کے پہلے باب کا ہے جو سکھوں کے گہرے شرک میں ڈوبے ...
... نے پر دلالت کرتا ہے۔

... گانا اور موسیقی ہندو راہبائیں خدا کے تئیں اپنی محبت اور لگاؤ کا اظہار، گانے اور ...
... رقص سے کرتی رہی ہیں، انھیں گوپیاں کہا جاتا ہے یہ سری کرشن کی عاشق تھیں۔ مغلیہ عہد میں میرا ...
... بائی (۱۵۱۶ـ۱۵۳۶ء) راہبوں اور سادھوؤں کے ساتھ مختلف خانقاہوں اور مندروں کا دورہ کرتی اور ...
... میں اپنی حسین آواز اور پرشوق لحنوں سے مسحور کرتی تھی۔ وہ کرتال بجاتے ہوئے "برندا" اور دوارکا ...
... کی عبادت گاہوں میں کرشن کے مجسموں کے سامنے رقص کرتی تھی، دھیرے دھیرے موسیقی ہندو ...
... راہب کے رگ و ریشہ میں داخل ہو گئی۔

سکھ مت بھی خدا سے اپنی محبت کا اظہار موسیقی بجا کر کرنے کا شروع سے قائل رہا ہے ...
... گرونانک جب حمد الٰہی میں مستغرق ہوتے تو ان کے ساتھ مردانہ موسیقی و رباب بجاتے، جس کی تان ...
... میں گرو جی حمد الٰہی میں بالکل ڈوب جاتے۔

گرو جی نے گرو گرنتھ صاحب کو بھی گانے کے لحنوں کے لحاظ ہی سے مرتب کیا ہے، ۳۱ لحن ...
اس کتاب میں پائے جاتے ہیں، کتاب کے آخر میں ان لحنوں کی ایک طویل فہرست ہے اور ہر لحن کی ...
... پانچ شاخیں اور آٹھ آوازیں ہیں جنھیں گرونانک نے "بیویوں اور بچوں" کا نام دیا ہے۔

مشہور سکھ مفکر ڈاکٹر گوپال سنگھ لکھتے ہیں:

"سکھ مت کے اکثر گرو، مع رباب بجاتے تھے، گرونانک اپنی مجلسوں میں حسین آواز میں ...
... گاتے اور مردانہ طبلے پر لکڑی سے بجاتا، انھوں نے اپنی کتاب کو شعر و نغمہ کے انداز پر مرتب کیا ہے، ...
... یہاں تک کہ سکھ مت میں عبادات و رسوم کی ادائیگی بھی موسیقی پر منحصر ہے، یہ دین حسن و جمال کا مرقع ...
ہے، ہر سکھ کی رگ میں موسیقی ویسے ہی حرکت کر رہی ہے جس طرح رگوں میں خون گردش کرتا ہے"

ہندو مت اور سکھ مت میں وجوہ اختلاف سکھ مت نے ہندو دھرم سے ...
متعدد امور میں اختلاف کیا ہے۔

۱۔ حصول نجات کا ذریعہ۔ سکھوں کے نزدیک کرم مارگ (رسوم اور چڑھاوا) اور گیان مارگ (علم و آگہی کے حصول میں استغراق) سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی، بلکہ حصول نجات کا واحد طریقہ ایک خدائے واحد کی بندگی اور اس کے طریقہ کی پیروی ہے۔

۲۔ سکھ مت میں رہبانیت حرام ہے جب کہ ہندو دھرم، بدھ مت اور جین مت کے ماننے والے دنیا کو تمام برائیوں کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں، اور نجات کے لئے دنیا سے کنارہ کشی کو واجب سمجھتے ہیں۔

۳۔ آواگون کے چکر سے نجات اللہ تعالی کے فضل و کرم سے بھی مل سکتی ہے جب کہ ہندو دھرم اور بدھ مت اس کے قائل نہیں ہے۔

۴۔ مغفرت خداوندی کے حصول میں عورت و مرد برابر ہیں جب کہ ہندو دھرم عورت کو برائیوں کا سرچشمہ خیال کرتا ہے اور جین مت کے نزدیک نجات عورت کے قالب میں نہیں مل سکتی، عورت اپنی ریاضت کے ذریعہ مرد کے قالب میں جنم لے گی اور پھر اسے نجات مل سکے گی۔

۵۔ سکھ مت میں کوئی زبان مقدس نہیں ہے خدا ہر زبان میں بندوں کی مناجات سنتا ہے جب کہ ہندو دھرم میں برہما اپنے بندوں سے صرف سنسکرت میں خطاب کرتا ہے اور اسی زبان میں عبادتوں کو قبول کرتا ہے۔

۶۔ سکھ مت میں پوری انسانیت برابر ہے کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں بلکہ خدا کا دین سب کے لئے عام ہے جو بھی اس کی شریعت کی پیروی کرے گا نجات پائے گا جب کہ ہندو دھرم میں برہمن مقدس ہیں اور وہی خدا کی بارگاہ میں چڑھاووں کو پیش کر سکتے ہیں اور وہی مذہبی رسوم و عبادات انجام دے سکتے ہیں۔

۷۔ سکھ مت عقیدہ اوتار کا مخالف ہے جب کہ ہندو دھرم کا یہ بنیادی عقیدہ ہے۔

☆☆☆

☆☆☆

مذاہب عالم

ژنداوستا میں بشارات محمدیہ

ابوطوبیٰ فلاحی

زرتشت مذہب کو پارسی مذہب کہا جاتا ہے، اسکے ماننے والے ایران میں ہیں اور یہ ایران کا قدیم ترین مذہب ہے، اس مذہب کو آتش پرست اور مجوسیت کا نام بھی دیا جاتا ہے، ان کی مذہبی کتابیں ژند اور پہلوی زبانوں میں ہیں، قدیم ایرانیوں کی مذہبی کتب میں ایک کا نام دساتیر اور دوسری کا اوستا یا ژنداوستا ہے۔ انکے دو حصے ہیں:

۱: خورد دساتیر اور کلاں دساتیر۔

۲: خورد اوستا اور کلاں اوستا۔

ان کو ژند اور پا ژند بھی کہتے ہیں۔

ژنداوستا میں آنے والے نبی آخر الزماں کی بشارت ان لفظوں میں دی گئی ہے: "اس کا نام فاتح مہرباں اور اسی کا نام استوت ارت (تعریف کیا گیا یا محمد ﷺ) وہ رحمت کا مجسمہ ہوگا کیونکہ وہ تمام جہان کے لئے رحمت ہوگا، وہ حاشر ہوگا اس لئے کامل انسان اور روحانی انسان ہونے کی وجہ سے وہ تمام لوگوں کی ہلاکت کے خلاف مبعوث ہوگا، وہ مشرک لوگوں اور ایمان دار لوگوں کی اصلاح کرے گا اور مشرکین بت پرستی اور زرتشی مذہب کے پیروؤں کی بدی کی اصلاح کرے گا۔ (آیت رقم ۱۲۹)

یہ پیشین گوئی آپ ﷺ پر لفظ بلفظ صادق آ رہی ہے، آپ ﷺ کے علاوہ کوئی اور پیغمبر ایسے نہیں گزرے ہیں جن پر اس پیشین گوئی میں مذکور جملہ صفات صادق آ رہی ہوں۔

اس بشارت میں پہلی صفت "فاتح مہربان" بیان ہوئی ہے، آپ ﷺ کا فاتح مہربان ہونا عیاں راچہ بیاں کے مصداق ہے، غزوۂ بدر کے وہ قیدی جو آپ کے جانی دشمن تھے آپ ﷺ نے انہیں قتل کرنے کے بجائے فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اور فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے عام مغفرت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: "لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا أنتم الطلقاء" "آج تمہارے

ساتھ کوئی زیادتی نہ کی جائے گی جاؤ تم سب آزاد ہو۔ ذرا سوچئے! ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹا تھا ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو گھر بار چھوڑ کر مدینہ جانے پر مجبور کیا تھا۔ اور پھر ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے آپ ﷺ کے قتل کا فیصلہ ہی نہیں بلکہ قتل کی نیت سے آپ کے چہرہ انور پر تھوکنے کی کوشش کی تھی ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے راہوں میں کانٹے بچھائے تھے اور گلوں میں پھندا ڈال کر گھونٹنے کی کوشش کی تھی۔ کیا ایسے خونخوار دشمنوں کے ساتھ عام مغفرت کے اس سلوک کی کوئی نظیر اقوام عالم کی تاریخ میں ملتی ہے۔

دوسری صفت | ان کا نام ستودہ اور نیا ہوگا "ستودہ اور نیا" کے لغوی معنی ہیں تعریف کیا گیا اور محمود و احمد سے بھی یہی معنی آتے ہیں۔

تیسری صفت | وہ رحمت کا مجسمہ ہوگا اور اس کی رحمت پوری دنیا والوں کے لئے عام ہوگی۔ قرآن مجید میں ہے "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین" ہم نے آپ کو پوری دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

ایک دفعہ چند صحابہ نے دشمنوں کے گستاخانہ اور ظالمانہ رویہ کو دیکھ کر ان کے حق میں بددعا کرنے کی درخواست کی تو رحمۃ للعالمین نے فرمایا: میں دنیا کے لئے لعنت کروانا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

عن ابی هریرة قال: قیل: یا رسول الله: ادع علی المشرکین قال انی لم ابعث لعانا وانما بعثت رحمة؛

سفر طائف سے واپسی کے موقعہ پر جب پہاڑوں کے انتظام پر مامور فرشتوں نے آپ ﷺ سے مکہ کی آبادی کو مکہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان کچلنے کی اجازت مانگی تو رحمۃ للعالمین نے فرمایا: شاید ان کی نسلوں اور ذریت میں کوئی ایسا شخص پیدا ہو جو اللہ کی بندگی کرے۔

چوتھی صفت | وہ حاشر ہوگا۔ بخاری شریف میں ہے "ان لی اسماء انا محمد و انا احمد وانا الماحی الذی یمحو الله بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی وانا العاقب (۶:۵۵۴) وجامع الترمذی حدیث رقم (۲۸۴۲ ۷)

میرے متعدد نام ہیں میں محمد بھی ہوں اور احمد بھی اور میں ماحی بھی ہوں میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا اور میں حاشر ہوں میرے قدموں پر جملہ قوموں کو اکٹھا کیا جائے گا اور میں نبی خاتم

میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے:

وعن ابی موسی الاشعری قال کان رسول الله ﷺ یسمی لنفسه فقال: انا محمد و احمد والمقفی والحاشر ونبی التوبة ونبی الرحمة: (مشکاة المصابیح ص ۵۱۰)۔

ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے ناموں کی تعیین کرتے ہوئے فرمایا: میں محمد ہوں اور احمد، میں نبی خاتم ہوں اور حاشر (یعنی میرے قدموں پر جملہ قوموں کو اکٹھا کیا جائے گا) اور میں کثرت سے توبہ کرنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہوں۔

پانچویں صفت | کامل انسان اور روحانی انسان ہونے کی وجہ سے وہ تمام لوگوں کی ہلاکت کے خلاف مبعوث ہوگا۔

چھٹی صفت | آنے والے رسول کی چھٹی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگوں کی بدی کی اصلاح کریں گے۔

محمد عربی کی بعثت کا بنیادی مقصد تزکیہ نفس (لوگوں کی اصلاح) تھا۔ سورۃ التوبہ میں ہے "خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزکیهم بها" اے نبی ان کے اموال میں سے صدقہ لیں جس کے ذریعہ آپ انہیں پاک کریں اور ان کے نفوس کی اصلاح کریں اور سنواریں۔

سورۃ الاحزاب میں ہے: یقیناً اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ اہل بیت سے گندگی کو دور کرے اور انہیں خوب پاک کردے۔ (آیت رقم ۳۳)

سورۃ المائدۃ میں ہے: "اللہ تعالیٰ تمہیں ضیق اور تنگی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا بلکہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کردے (۶)

ساتویں صفت | آنے والے رسول کی ساتویں صفت یہ بیان ہوتی ہے کہ وہ مشرکوں، بت پرستوں اور پارسیوں کی بدی کی اصلاح کرے گا۔

آپ ﷺ کی بعثت عام تھی لیکن عرب کے مشرکین اور فارس کے مجوسیوں کو آپ ﷺ کا زیادہ سامنا ہوا تھا چنانچہ یہ دونوں قومیں پوری کی پوری اسلام میں داخل ہو گئیں، اور عرب سے شرک بت پرستی اور جاہلیت کا خاتمہ ہو گیا اور ایران سے ظلم و زیادتی اور استبدادی نظام مٹ گیا۔

یہ صفات دنیا کے کسی اور مذہبی رہنما پر پورے طور پر صادق نہیں آتی ہیں [illegible] بعض مغربی محققین نے بھی کیا ہے، جیسے ڈاکٹر جو ژند اوستا کے مترجم ہیں اس آیت پر [illegible] ہوئے لکھتے ہیں۔

"دنیا میں ایک ہی عظیم انسان رسول آنحضرت ﷺ ہوئے ہیں جن پر یہ پیشین گوئی لفظاً صادق آتی ہے وہ تمام صفات جو اس بشارت میں بیان کی گئی ہیں وہ آپ کی ذات میں [illegible] جاتی ہیں آپ ﷺ کا فاتح مہربان ہونا فتح مکہ کے دن ظاہر ہوا اپنے خونخوار دشمنوں کو "لا تثریب علیکم الیوم" (یوسف ۱۲/۹۲) کہہ کر چھوڑ دیا، آپ کا نام محمد ﷺ، آپ کا رحمۃ للعالمین ہونا [illegible] آپ سے قبل تمام انبیاء صرف اپنی قوم کے لئے رحمت تھے آپ ﷺ کا حاشر ہونا، آپ کے قدموں [illegible] کی تمام قوموں کا اکٹھا ہونا، بت پرستوں کی اصلاح کرنا یہ صرف رسول کریم ﷺ کی خصوصیات ہیں۔"

(ژند اوستا فروردین یشت ۲۸ آیت ۱۲۹)

☆☆☆

☆☆☆

فقہ وفتاوی

ابوارقم فلاحی

سوال: کیا سودی کاروبار کرنے والے بینکوں میں نوکری کرنا درست ہے؟

ج: سودی بینکوں میں نوکری کرنا حرام ہے، ارشاد رسول ہے "لعن اللہ آکل الربا وموکلہ وشاھدیہ وکاتبہ وھم سواء"

اللہ کی لعنت ہو سود کھانے والے، سود دینے والے، سود کی گواہی دینے والے اور سودی معاملات کو لکھنے والے پر، اور یہ سب لوگ گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔

بینکوں میں ملازمت کرنے والے دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں، بعض لوگ تو براہ راست سود کے لکھنے، حساب کرنے اور رقموں کو لینے، دینے سے جڑے ہوتے ہیں، ان کا یہ عمل ایک حرام کام کی اعانت ہے جو شرعاً ممنوع ہے: ارشاد ربانی ہے "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" "گناہ اور زیادتی پر باہم کر تعاون نہ کرو۔

بعض دوسرے لوگ اس سے براہ راست تو جڑے نہیں ہوتے جیسے ڈرائیور وغیرہ لیکن اسی کاروبار کی مصلحت کے لیے کام کرتے ہیں جو ان کے اس کاروبار سے راضی ہونے کی علامت ہے، اور کسی گناہ پر راضی شخص بھی اس کا ایک حصہ پائے گا، البتہ کسی غیر مامون جگہ نہ پانے کی صورت میں سودی بینکوں میں اپنی رقمیں بطور امانت رکھنا جائز ہے اور اس پر حاصل ہونے والا فائدہ "مال لقطہ" "پایا ہوا مال" کے حکم میں ہوگا جسے اجر وثواب کی نیت کے بغیر، فقراء ومساکین کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔

واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆

☆☆☆

جامعہ کے لیل و نہار

ادارہ

ابواللیث ہال میں امیر جماعت کا خطاب عام

۱۹ ستمبر کو ابواللیث ہال [illegible]

امیر جماعت اسلامی ہند مولانا محمد سراج الحسن صاحب نے طلبہ، اساتذہ اور وابستگان جامعہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم خدا کے دین کے داعی اور اس کے شاہد ہیں، اللہ کا دین امانت ہے جو ایک بڑی نعمت بھی ہے اور آزمائش بھی، ہمیں اس امانت کو دیانت داری، ایمانداری، دلسوزی اور محبت کے ساتھ تمام تعصبات سے بالاتر ہو کر برادران وطن تک پہنچانا ہے اس میں کسی قسم کی کوتاہی کی تو عنداللہ مسئول ہوں گے۔

امیر جماعت نے فرمایا کہ ہمارے ملک نے سائنس، ٹکنالوجی، معیشت، تعلیم اور دیگر میدانوں میں ترقی کی ہے یہ خوش آئند پہلو ہے لیکن ساتھ ہی روحانی اور اخلاقی اعتبار سے اس ملک کے اندر زبردست زوال آیا ہے، یہاں تک کہ وزیر اعظم اپنے غیر ملکی دوروں میں ملک کے بارے میں پوچھے جانے والے سوالات کے جواب میں شرمندگی محسوس کرتے ہیں، آج پورا ملک نہایت نازک اور خطرناک موڑ سے گزر رہا ہے صورت حال یہ ہے کہ ملک کے باشندوں کو ایک دوسرے پر اعتماد نہیں رہا، خواہ بازار، ایوان سیاست ہو یا تعلیمی ادارے، کون سا شعبہ ایسا ہے جہاں بدنظمی اور انتشار نہ ہو، عزت و آبرو اور جان و مال کا تحفظ ایک سوالیہ نشان بن گیا ہے، اس وقت یہ ملک ایک دوراہے پر کھڑا ہے، اب وقت آگیا ہے کہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ ملک کے باشندوں کو فیصلہ کرنا ہے کہ اس کی منزل کیا ہوگی۔

ایک طرف یہ صورت حال ہے اور دوسری طرف ملت خواب و خیال کی دنیا میں گم ہو رہی ہے، خوابوں کی دنیا سے نکلنے اور حقائق سے آنکھیں چار کرنے کا اس کے اندر حوصلہ نہیں، وہ ماضی کی پرستار، حال سے بیزار اور مستقبل سے مایوس ہے، سمت سفر متعین ہے نہ منزل کا پتہ ہے اور نہ ہی مقصد زیست کی خبر ہے، ان حالات میں ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے آپ کو سنبھالیں، دعوت دین اور اقامت دین کی سرگرمیوں میں تیزی پیدا کریں، یہی دعوت ہمارے مسائل کا حل بھی ہے اور اس ملک کی پریشانیوں کا علاج بھی اور اسی پر ہماری آخرت کی نجات کا انحصار بھی ہے۔

☆☆☆

بہی خواہان جامعہ کی خدمت میں

ناظم جامعہ

آج کے طوفانی دور میں جب کہ ہر طرف مادیت کی یلغار ہے اور اخلاقی قدریں روبہ زوال ہیں، اسلام پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں اور ملت اسلامیہ کو مختلف قسم کے چیلنجوں کا سامنا ہے، اس پرآشوب دور میں ''جامعۃ الفلاح'' ان چیلنجوں کا ایک پرعزم جواب ہے، جہاں مسلمان بچوں کی اس انداز سے تعلیم و تربیت کی جاتی ہے کہ ان کے اندر کتاب و سنت کا گہرا علم پیدا ہو اور اسلامی اخلاق و کردار سے وہ آراستہ ہوں عصر حاضر کے افکار و نظریات سے واقف ہوں اور ان کے اندر احیائے دین اور شہادت حق کا ایسا جذبہ پیدا ہو کہ وہ وسعت قلب و نظر کے ساتھ معاشرے کی اصلاح اور دعوت اسلامی کے لیے اپنی صلاحیتوں کو وقف کر سکیں۔

نیچے جامعہ کے نمائندوں اور ان کے حلقہ کار کی فہرست دی جا رہی ہے براہ کرم بہی خواہان فلاح کے ساتھ اپنی دلچسپیوں اور ہمدردیوں کا ثبوت دیں اور دیگر احباب کو بھی اس طرف متوجہ کریں۔

جناب معراج احمد صاحب جناب محمد خالد صاحب	گرانٹ روڈ، کماٹھی پورہ، بھنڈی بازار، چوکی محلہ، ساتراستہ، بوری بندر، عرب گلی، دونگری، جیر اجنگلی، مومن پورہ، مدنپورہ
جناب مولانا امیر فیصل صاحب جناب اظہار الحسن صاحب	کرلا، ساکی ناکہ، گھاٹ کوپر، وکرولی، بھانڈوپ، نوونڈی، چمبور، مرول ناکہ، جوگیشوری روڈ، چکالہ، شیواجی نگر، بیگن واڑی
جناب اخلاق احمد صاحب جناب فرید الدین صاحب جناب شاہ عالم صاحب	ریے روڈ، دھاراوی، ماہم، سائن، باندرہ، سانتا کروز، ویلے پارلے، اندھیری، جوہو گلی، جوگیشوری، کاندیولی، گورے گاؤں، گنیش نگر، ملاڈ، بوریولی
جناب خالد حنیف صاحب	کوسہ ممبرا، پونہ، ناسک
جناب حافظ عطاء اللہ صاحب جناب مشتاق احمد صاحب	بھساول، جلگاؤں، برہان پور، ملکاپور، اکولہ، اورنگ آباد، جالنہ، مالیگاؤں، دھولیہ
جناب مولانا عرفان احمد صاحب جناب مولانا ریاض احمد صاحب	بھیونڈی، کلیان

مولانا جرار احمد صاحب	حیدرآباد، نظام آباد
ماسٹر محمد سمونیل صاحب	
ماسٹر محمد ابراہیم صاحب	بنگلور، ہاسن، چکمنگلور، شموگہ، بھدراوتی، میسور، بھٹکل وغیرہ
مولانا کمال الدین صاحب	
جناب مولانا شاہد الاسلام صاحب	مدراس، ویلور، عمرآباد، وانم باڑی، امبور
مولانا معین الدین صاحب	
ماسٹر اقبال قمر صاحب	سوائی، مادھوپور، کوٹہ، باراں، جے پور، جودھ پور
مولوی عبدالودود صاحب	
مولانا جمیل احمد صاحب	مظفر نگر، سہارن پور، دہرہ دون، سنبھل، مرادآباد، للت پور، بدایوں
ماسٹر توفیق احمد صاحب	دہلی، غازی آباد، میرٹھ
محمد اطہر فاروقی صاحب	
مولانا محمد اسمٰعیل صاحب	مظفر پور، بھاگلپور، پٹنہ، سیوان
ماسٹر عبداللہ صاحب	کلکتہ، آسنسول
مولانا افتخار احمد صاحب	شہر اعظم گڑھ، مئو، مبارک پور، بنارس
ماسٹر معین الدین صاحب	
حافظ احسان الحق صاحب	اندور، اجین
ماسٹر نظام الدین صاحب	گورکھ پور، بستی، گونڈہ، بلرام پور
ماسٹر شہنواز احمد صاحب	بھریا گنج، جگت پور، شہاب الدین پور
ماسٹر کفیل احمد صاحب	
محمد محسن صاحب	فیض آباد، ٹانڈہ، بسکھاری، بھوسے پور، جلال پور، سلطان پور
منشی محمد اسمٰعیل صاحب	بنارس، لکھنؤ، کانپور، بریلی، رام پور، نینی تال، علی گڑھ، آگرہ
مولوی اقرار علی صاحب	الہ آباد، مرزا پور، بھدوہی، سون بھدر، جونپور، مراکمیر، پھول پور
ریاض احمد خاں صاحب	
مولانا محمد شعیب صاحب	لکھنؤ

☆☆☆